یا اللہ مدد — لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ — حق چار یار





مجلہ صفدر

اکابرین دیوبند بالخصوص
شیخ العرب والعجم حضرت مولانا حسین احمد مدنی نور اللہ مرقدہ
کے افکار و نظریات کا بے باک ترجمان

103-102

اگست، ستمبر 2019ء — ذوالحجہ ۱۴۴۰ھ - محرم ۱۴۴۱ھ

ترجمان: حضرت مولانا محمد سرفراز خان صفدر نور اللہ مرقدہ، شیخ الحدیث

ترجمان: حضرت مولانا قاضی مظہر حسین نور اللہ مرقدہ

احقر کو یاد ہے کہ جب اس کتاب پر تقریظات کے رجوع کا معاملہ چل رہا تھا، اسی زمانہ میں جامعہ خیر المدارس ملتان کی شوریٰ کے سالانہ اجتماع میں حضرت ڈاکٹر عبدالرزاق اسکندر دامت برکاتہم تشریف لائے ہوئے تھے، اس کتاب پر ان کی تقریظ بھی تھی، حضرت مفتی عبدالستار صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ کے حکم پر احقر نے حضرت ڈاکٹر عبدالرزاق صاحب مدظلہ سے اس بارہ میں گفتگو کی تو انہوں نے فوراً اپنی تقریظ سے رجوع فرمالیا، آپ نے جو رجوع نامہ لکھ کر دیا تھا وہ احقر نے حضرت مفتی صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ کی خدمت میں پیش کر دیا تھا، جس سے وہ بہت خوش ہوئے اور احقر کو دعاؤں سے نوازا۔ بہر حال کتاب جب تک عربی میں رہی مسلک کو اس سے اتنا نقصان نہیں ہوا کیونکہ بہت سے حضرات کو اس کا علم تک بھی نہ تھا، معاملہ اس وقت بگڑا جب ۱۴۱۳ھ/۱۹۹۳ء میں "اصلاح مفاہیم" کے نام سے اس کا ترجمہ شائع ہوا، اہل علم کو اس ترجمہ کے دیکھنے سے پتہ چلا کہ علوی مالکی صاحب کے عقائد و نظریات کیا ہیں۔ [مقدمہ کتاب علماء دیوبند: ۴۷]

مطبوعہ دار المطالعہ

0312 4612774 0334-4612774
khadim.khan4@yahoo.com

ترتیب

معتمد قول کے مطابق یزید فاسق اور ظالم تھا

حضرت مولانا مفتی حمید اللہ جان رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

''واضح رہے کہ معتمد قول کے مطابق یزید فاسق اور ظالم تھا۔لہٰذا اس کی مدح کرنا درست نہیں۔

"قال صاحب الدر فی باب الرجعة: أقول حقيقة اللعن المشهورة هی الطرد عن الرحمة، وهی لاتكون إلا لكافر، ولذا لم تجز علی معين لم يعلم موته علی الكفر بدليل وإن كان فاسقًا مشهورًا كـ"يزيد" علی معتمد."......شامی:۲/۵۸۷۔''[ارشاد المفتین:۱/۵۸۰]

قارئین توجہ فرمائیں!

مجلّہ ''صفدر'' کا زیر نظر شمارہ اگست، ستمبر ۲۰۱۹ء [شمارہ نمبر ۱۰۳/۱۰۲] دو شماروں پر مشتمل ہے۔اور قیمت دو شماروں کے برابر یعنی ستر (۷۰) روپے ہے۔آئندہ شمارہ اکتوبر ۲۰۱۹ء کا ہوگا۔اِن شاءاللہ

پیام صفدر　　　　　　　　　　　　　　　　　　　　مدیر کے قلم سے

مسائل ثلاثہ..اور..حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی مدظلہم

مسئلہ خلافت راشدہ، مشاجرات صحابہ اور فسق یزید سے متعلق مولانا مفتی محمد تقی عثمانی مدظلہم کی رائے اور یزیدی گروہ کے پھیلائے ہوئے بے بنیاد پروپیگنڈے کی حقیقت

اہل حق کی مشہور علمی شخصیات کو بے جاطور پر اپنا ہم نوا ثابت کرنے کی روش کوئی نئی بات نہیں، آغازِ اسلام سے ہی اِسلام اور مسلمانوں کو اِس صورت حال کا سامنا ہے کہ مختلف افراد و طبقات اپنے خود ساختہ اَفکار کو عوام میں مقبول بنانے کے لیے بلند پایہ شخصیات کا سہارا لینے کی کوشش کرتے چلے آئے ہیں۔ چاہے اُس شخصیت کا اُن عقائد و اَفکار سے دُور کا واسطہ بھی نہ ہو۔

اِسی قسم کے لوگوں میں سے ایک ''یزیدی'' گروہ بھی ہے، جو بعض اکابر اہل سنت دیوبند کو بے جا طور پر اپنا ہم نوا ثابت کرنے کی ناکام کوششیں کرتا رہتا ہے۔ آج کی مجلس میں یزیدی گروہ کے مخصوص اَفکار اور مولانا مفتی محمد تقی عثمانی مدظلہم کی اُن سے براءت کے متعلق مختصر گذارشات پیش کرنے کا اردہ ہے۔ اِس سے قبل ہم یزیدی گروہ اور اہل السنۃ والجماعۃ کے مابین بنیادی اختلافات واضح کردینا چاہتے ہیں۔

اکابر اہل السنۃ والجماعۃ سے یزیدی طبقہ کے بنیادی اختلافات:

یزیدی گروہ کے، اکابر اہل السنۃ والجماعۃ علماء دیوبند سے تین بنیادی اختلافات ہیں:

۱)......اکابر اہل السنۃ والجماعۃ کے نزدیک قرآن پاک کی موعودہ خلافت علیٰ منھاج النبوۃ کے مصداق خلفاء اربعہ: سیدنا صدیق اکبر، سیدنا فاروق اعظم، سیدنا عثمان غنی، سیدنا حیدر کرار رضی اللہ عنہم ہیں۔ جنہیں ''خلفائے راشدین'' اور ان کی خلافت کو اصطلاح میں ''خلافت راشدہ'' کہا جاتا ہے۔[۱] جبکہ سیدنا امام حسن رضی اللہ عنہ، سیدنا حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ اور سیدنا حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ کی خلافت ''خلافتِ راشدہ مطلقہ'' ہے۔ جسے ''خلافتِ عادلہ'' کہا جاتا ہے۔ جبکہ یزیدی گروہ سیدنا عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ کے علاوہ باقی خلفاء صحابہ کی خلافت کو قرآن پاک کی موعودہ خلافت کا مصداق قرار دیتا ہے۔

۲)......اکابر اہل السنۃ والجماعۃ کے نزدیک ''مشاجراتِ صحابہ'' میں سیدنا حضرت علی رضی اللہ عنہ اور اُن کے رفقاحق پر اور باقی حضرات خطاء اجتہادی پر تھے۔ اور خطائے اجتہادی بھی موجب ثواب ہے۔

---

[۱] مشہور سنی نعرہ: ''خلافت راشدہ: حق چار یار'' میں بھی اِسی طرف اشارہ ہے کہ قرآن پاک کی موعودہ خلافت راشدہ کے مصداق باتفاق اہل السنۃ والجماعۃ خلفائے اربعہ ہیں۔ اور یہ اُنہی کا حق ہے۔۱۲

اِس لیے کسی ایک جانب کے صحابہ کو ناحق، باطل یا حقیقی باغی یا گناہ گار ٹھہرانا قطعاً ناجائز اور حرام ہے۔ دیگر صحابہ کرام کی طرح ان تمام صحابہ کرام کو بھی عادل و برحق اور قطعی و یقینی جنتی اور ہر قسم کی تنقید سے بالاتر ماننا ضروری ہے۔ اور ان کے آپس کے اختلافات کو ''اجتہادی اختلاف'' تسلیم کرنا لازمی ہے۔ اور جن سے اجتہادی خطا ہوئی اُن کی خطا کو 'خطاءِ محض' کہنا بالکل جائز نہیں۔

جبکہ یزیدی گروہ کے نزدیک اِن مشاجرات میں جو حضرات سیدنا علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کے مخالفین تھے، خصوصاً سیدنا امیر معاویہ رضی اللہ عنہ، اُن کی طرف خطاء اجتہادی کی نسبت کرنا ''گستاخی'' ہے۔ اور اس بنا پر یہ طبقہ چودہ سو سالہ امت کو ''گستاخِ معاویہ'' قرار دینے سے بھی دریغ نہیں کرتا۔

۳)......اہل السنۃ والجماعۃ کے نزدیک سیدنا امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کا بیٹا یزید بالاتفاق فاسق (گناہ گار مسلمان) تھا۔ اور واقعہ حرہ، حرمت بیت اللہ کی پامالی اور اختیار کے باوجود قاتلان سیدنا حسین رضی اللہ عنہ کے سربراہ کو سزا نہ دینے کا جرم دار تھا۔ لیکن اُس کے اِن کرتوتوں میں حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کا کوئی دخل اور قصور نہ تھا۔ کیونکہ یہ واقعات تو اُن کے دنیا سے جانے کے بعد پیش آئے۔ نیز یزید کی عملی خرابیوں کا اُن کو علم بھی نہیں تھا۔ اس لیے ان کی ذمہ داری سیدنا امیر معاویہ رضی اللہ عنہ پر ہرگز نہیں ڈالی جاسکتی۔ لہٰذا سیدنا امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی عظمت اور صحابیت کی آڑ میں فسق یزید سے اِنکار یا فسق یزید کی آڑ میں سیدنا امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی ادنیٰ بے ادبی دونوں گمراہی ہیں۔

جبکہ یزیدی گروہ یزید کو ''خلیفہ عادل'' اور امیر المؤمنین سیدنا یزید رحمۃ اللہ علیہ'' تسلیم کرتا ہے۔ اور اس کی طرف فسق کی نسبت کو درست نہیں سمجھتا۔

یزیدی گروہ کی طرف سے مفتی تقی صاحب پر بہتان:

یزیدی گروہ کی طرف سے بارہا زبانی و تحریری طور پر یہ تاثر دینے کی کوشش کی گئی ہے کہ: ''حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی مدظلہم یزید کو 'عادل' قرار دینے میں ہمارے ہم نوا ہیں۔''

ایسے حضرات کی خدمت میں گزارش یہ ہے کہ: اولاً یہ بات ہی غلط ہے کہ مولانا مفتی محمد تقی عثمانی مدظلہم یزید کو خلیفہ عادل قرار دیتے ہیں۔ اگر بالفرض خدانخواستہ ایسا ہو بھی جائے تو اکابر اہل السنۃ والجماعۃ کے اتفاقی موقف کے مقابل مولانا تقی عثمانی مدظلہم کی ذاتی رائے کو زیادہ سے زیادہ ''تفرد'' کہا جاسکتا ہے۔ اور تفرد کسی کا بھی ہو، لائق اتباع نہیں ہوا کرتا۔

دوسری بات یہ ہے کہ: کیا مولانا تقی عثمانی مدظلہم صرف اِسی ایک مسئلہ کے حوالے سے ''بزرگی'' کے منصب پر فائز ہیں یا اُن کے باقی اَفکار کا بھی اُس ''بزرگی'' میں کچھ حصہ ہے؟ معلوم نہیں ''حضرات'' اس کا کیا جواب عنایت فرماتے ہیں، ہم اپنے قارئین کے اطمینان کے لیے ذیل میں تینوں مسائل سے متعلق مولانا

مفتی تقی عثمانی مدظلہم کا موقف اُن کی تحریرات وتقریرات اور تائیدات سے باحوالہ پیش کرتے ہیں، تاکہ قارئین بخوبی جان لیں کہ خلافت راشدہ موعودہ، مشاجرات صحابہ اور یزید کے بارے میں مولانا تقی عثمانی مدظلہم کا نظریہ یزیدی گروہ سے یکسر مختلف ہے۔

خلافت راشدہ موعودہ اور مولانا مفتی محمد تقی عثمانی مدظلہم:

مولانا تقی مدظلہم، قائد اہل سنت مولانا قاضی مظہر حسین رحمہ اللہ کے نام مکتوب میں لکھتے ہیں:

''تازہ کتاب ''خارجی فتنہ جلد اول'' موصول ہوئی، سرسری طور پر دیکھی، دِل بہت خوش ہوا، آپ نے مسلکِ حق کی خوب ترجمانی فرمائی ہے، آج کل اِس معاملے میں جو افراط وتفریط چل رہی ہے، آپ نے اس سے ہٹ کر اعتدال کا جو راستہ اختیار فرمایا ہے، وہی علمائے حق کا طریقہ رہا ہے۔'' [قائد اہل سنت نمبر: ۱۳۷۶]

اور قائد اہل سنت مولانا قاضی مظہر حسین رحمہ اللہ ''خارجی فتنہ جلد اول'' میں لکھتے ہیں:

''بہر حال چار یاروں خلفائے راشدین کی حقانیت کو منوانے کے لیے اور ان کی مرکزی پالیسی کو صحیح قرار دینے کی یہی ایک قطعی دلیل ہے کہ ان کو اللہ تعالیٰ نے اپنے قرآنی وعدے کے مطابق منصبِ خلافت راشدہ پر سرفراز فرمایا ہے۔...... یہاں یہ ملحوظ رہے کہ حضرت علی المرتضٰی رضی اللہ عنہ کی خلافت کے بعد حضرت حسن رضی اللہ عنہ کی خلافت کے ایام کو ملا کر تیس سال بنتے ہیں، لیکن جمہور اہل سنت نے اس تیس سالہ خلافت کا مصداق امام حسن رضی اللہ عنہ کی خلافت کو قرار نہیں دیا۔ اس لیے کہ ان کی خلافت خلفائے اربعہ کی خلافت کا تتمہ ہے جو اصل کا مصداق نہیں بن سکتا..... چونکہ امام حسن رضی اللہ عنہ مہاجرین صحابہ میں سے نہیں ہیں اور قرآن کی آیت تمکین اور آیتِ استخلاف میں خلافت دینے کا وعدہ مہاجرین صحابہ کے لیے ہے۔ اِس لیے آپ کی خلافت برحق ہونے کے باوجود قرآن کی موعودہ خلافت نہیں۔ حدیث کی پیشگوئی میں کسور کا اعتبار نہیں کیا گیا۔ اسی طرح حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ بھی بوجہ مہاجرین صحابہ میں شامل نہ ہونے کے قرآن کی موعودہ خلافت کا مصداق نہیں بن سکتے، البتہ حضرت حسن رضی اللہ عنہ کی صلح کے بعد آپ بالاتفاق برحق خلیفہ ہیں۔ رضی اللہ عنہم اجمعین......'' [خارجی فتنہ: ۱/۳۸۷۔۳۸۹]

''تحریک خدام اہل سنت ''خلافت راشدہ'' اور ''حق چار یار'' کے عنوان واعلان کو تحریر وتقریر کے ذریعے ایک خاص مشن کے طور پر پھیلا رہی ہے۔ بعض لوگ ''حق چار یار'' کی اصطلاح پر یہ اعتراض کرتے ہیں کہ: ''اس سے باقی اصحابِ رسول، کے صحابی یعنی یار ہونے کی نفی لازم آتی ہے۔ حالانکہ ایک لاکھ چوبیس ہزار مومنین کاملین حضور خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابی، یار اور جانثار ومددگار ہیں۔'' اس کا جواب یہ ہے کہ: چار یار سے وہی چار خلفائے راشدین مراد ہیں جن کو قرآنی وعدہ کے تحت اللہ تعالیٰ نے خلافتِ راشدہ عطا فرمائی ہے۔ اِس لیے خلافت راشدہ کے اعلان کے جواب میں ''حق چار یار'' پکارا جاتا ہے۔ اور قرآن کی خلافت راشدہ کا مصداق صرف یہی چار خلفاء ہیں، جیسا کہ حجۃ الاسلام حضرت مولانا محمد

قاسم نانوتوی صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی کتاب ’’ھدیۃ الشیعہ ‘‘میں ’’چار یار‘‘ ہی کے عنوان سے ان کو ممتاز کیا ہے۔......حضرت حسن رضی اللہ عنہ گو برحق خلیفہ ہیں اور ان کی صلح کے بعد حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ بھی خلیفہ برحق ہیں اور ان کو رُشد و ہدایت کی وجہ سے تو خلیفہ راشد کہہ سکتے ہیں، لیکن قرآن کی مراد کے تحت ان کو خلیفہ راشد نہیں کہہ سکتے، کیونکہ یہ خلافت راشدہ مہاجرین اولین کے ساتھ مختص ہے اور حضرت حسن اور حضرت معاویہ رضی اللہ عنہما دونوں مہاجرین میں سے نہیں ہیں۔‘‘ [خارجی فتنہ: ۳۹۲/۱]

معلوم ہوا کہ: مولانا تقی عثمانی مدظلہم کے نزدیک افراط و تفریط کے درمیان اعتدال کا راستہ اور مسلکِ حق یہی ہے کہ: ’’قرآنی موعودہ خلافت راشدہ کے مصداق خلفائے اربعہ ہی ہیں۔‘‘

مولانا مفتی محمد طاہر مسعود مدظلہم اپنی کتاب ’’عقائد اہل السنۃ والجماعۃ [مدلل]‘‘ میں تحریر فرماتے ہیں:

’’حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد تیس سال تک خلافت راشدہ کا زمانہ ہے، جس کو خلافت نبوت بھی کہا گیا ہے۔ ان تیس سالوں میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے چار جلیل القدر صحابہ، حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ، حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ، حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ اور حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ بالترتیب خلیفہ بنے۔ ان چار خلفاء کے فیصلوں کو قبول کرنا اور ان کی سنتوں پر عمل کرنا ایسا ہی ہے جیسا کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی سنتوں پر عمل کرنا اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے فیصلوں کو قبول کرنا۔‘‘ [ص ۱۸۰]

’’حضرت علی رضی اللہ عنہ کی شہادت کے بعد حضرت حسن رضی اللہ عنہ کو آپ کا جانشین مقرر کیا گیا، حضرت حسن رضی اللہ عنہ نے چھ ماہ تک خلیفہ رہنے کے بعد حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے ہاتھ پر بیعت کر لی۔ خلافت راشدہ کے بعد حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ اسلامی سلطنت کے پہلے برحق حکمران اور بادشاہ تسلیم کیے گئے۔‘‘ [عقائد اہل السنۃ والجماعۃ: ۱۸۱]

اور مولانا مفتی محمد تقی عثمانی مدظلہم مذکورہ بالا کتاب پر تقریظ لکھتے ہوئے فرماتے ہیں:

’’تالیف لطیف ’’عقائد اہل السنۃ والجماعۃ‘‘ نظر سے گزری۔ پوری کتاب پڑھنے کی مہلت تو نہ ملی، لیکن معتد بہ حصہ دیکھنے کی سعادت حاصل ہوئی۔ اور یہ دیکھ کر مسرت ہوئی کہ بفضلہ تعالیٰ مؤلف موصوف نے بڑی محنت اور استیعاب کے ساتھ اہل السنۃ والجماعۃ کے عقائد مستند کتب کے حوالوں سے جمع فرمائے ہیں۔ آج جبکہ طرح طرح کے نظریات لوگوں میں پھیل گئے ہیں، ان تمام مسائل کو جمع کرنا ایک اہم ضرورت تھی، جسے اس کتاب نے بڑی حد تک پورا کیا ہے۔ خاص طور سے دینی مدارس کے طلبہ کے لیے یہ کتاب ان شاء اللہ نافع ثابت ہوگی۔‘‘ [عقائد اہل السنۃ والجماعۃ: ۴۱]

معلوم ہوا کہ حضرت مفتی تقی صاحب نے کے نزدیک اِس کتاب میں ’’اہل السنۃ والجماعۃ‘‘ کے عقائد ہی جمع کیے گئے ہیں۔ لہٰذا خلفاء اربعہ کو خلافت راشدہ موعودہ کا مصداق قرار دینا ہی اہل السنۃ والجماعۃ کا عقیدہ ہے۔ اور یہی مولانا تقی عثمانی مدظلہم کا موقف ہے۔ مولانا کے اپنے قلم سے پڑھیے، لکھتے ہیں:

’’خلاصہ اس کا بھی یہی ہے کہ آپ (سیدنا امیر معاویہ رضی اللہ عنہ [ناقل]) کے عہد کو خلافت راشدہ کے برابر تو نہیں کہا جاسکتا، لیکن آپ ایک امام عادل تھے۔‘‘ [فتاویٰ عثمانی: ۱/۳۰۵]

’’جمہور اہل سنت کے نزدیک بلاشبہ ان کی خلافت اور خلفائے راشدین کی خلافت دونوں ایک معیار کی نہیں تھیں۔ بلکہ دونوں میں فرق تھا۔......لہٰذا خلافت راشدہ اور حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے عہد حکومت میں فرق تو بے شک تھا، لیکن وہ تقویٰ اور فسق کا فرق نہ تھا۔......خلفائے راشدین عزیمت پر عامل تھے اور حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے رخصتوں میں توسع سے کام لیا۔......خلفائے راشدین کی اصابت رائے اور صحت اجتہاد کا یہ عالم تھا کہ خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے اتباع کے ساتھ ان کے اتباع کا حکم فرمایا، لیکن حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے بارے میں جمہور امت کا عقیدہ یہ ہے کہ ان سے متعدد اجتہادی غلطیاں سرزد ہوئیں۔[حضرت معاویہ اور تاریخی حقائق: ۱۴۴]

’’واقعہ یہ ہے کہ خلافت راشدہ کی نسبت سے ان کے عہد حکومت میں فرق ضرور تھا۔لیکن یہ فرق فسق ومعصیت اور ظلم وجور کی حد تک نہیں پہنچا تھا، ان کی حکومت ’’حکومتِ عادلہ‘‘ ہی تھی۔[ایضا: ۱۴۶]

مشاجرات صحابہ اور مولانا مفتی محمد تقی عثمانی مدظلہم:

مولانا مفتی تقی عثمانی مدظلہم کی تائید یافتہ کتاب ’’عقائد اہل السنۃ والجماعۃ‘‘ میں لکھا ہے:

’’صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے باہمی اختلافات ومشاجرات امانت، دیانت، تقویٰ، خشیتِ الٰہی اور اختلافِ اجتہادی پر مبنی ہیں، ان میں سے جن سے خطاء اجتہادی ہوئی وہ بھی اجر کے مستحق ہیں، اس لیے کہ مجتہد مخطی کو بھی ایک اجر ملتا ہے اور اس سے خطاء اجتہادی پر دنیا میں مؤاخذہ ہوتا ہے نہ آخرت میں۔ کسی شخص کو صحابہ کی خطائے اجتہادی پر تنقید کرنے کا کوئی حق نہیں۔‘‘ [عقائد اہل السنۃ والجماعۃ: ۱۷۸]

’’خارجی فتنہ جلد اول‘‘ مولانا مفتی تقی صاحب کے نزدیک مسلک حق کی ترجمان کتاب ہے، اس میں ہے:

’’مولانا سندیلوی نے ’’اظہارِ حقیقت‘‘ جلد دوم میں مشاجرات صحابہ کی بحث میں اپنا جو موقف پیش کیا ہے، وہ جمہور اہل السنۃ والجماعۃ کے مشہور ومقبول مسلک کے خلاف ہے۔ وہ حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ اور حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی باہمی جنگ میں حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کو بھی صواب پر سمجھتے ہیں اور اس میں ان کی اجتہادی خطا بھی تسلیم نہیں کرتے۔ حالانکہ مسلک اہل السنۃ والجماعۃ یہ ہے کہ: گو حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ ایک جلیل القدر مجتہد صحابی ہیں، مگر قرآن کے چوتھے موعودہ خلیفہ راشد حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کے ساتھ نزاع اور جنگ کرنے میں ان سے اجتہادی غلطی ہوگئی تھی۔‘‘ [خارجی فتنہ: ۱/۲۰]

مذکورہ بالا دونوں کتب میں درج عقائد وافکار کی تائید مفتی تقی صاحب کے قلم سے قارئین پڑھ چکے ہیں، معلوم ہوا کہ: مفتی صاحب مدظلہم کے نزدیک ’’مشاجرات صحابہ میں حق حضرت علی رضی اللہ عنہ کے ساتھ تھا۔‘‘ حضرت مفتی تقی صاحب خود بھی یہی لکھتے ہیں:

''یہی وجہ ہے کہ تمام اہل سنت نے حضرت علی اور حضرت معاویہ رضی اللہ عنہما کے اختلاف کو اجتہادی اختلاف اور حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی غلطی کو اجتہادی غلطی قرار دیا ہے۔...... یہ چند حوالے سرسری طور پر لکھ دیئے گئے ہیں، ورنہ اہل سنت کا کوئی عالم ہماری نظر میں نہیں ہے جس نے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے اس فعل کو اجتہادی غلطی سے زیادہ کچھ کہا ہو۔'' [حضرت معاویہ اور تاریخی حقائق:۱۳۹]

''صحیح روایات میں مشاجرات صحابہ سے متعلق جو مواد آیا ہے اسے سامنے رکھ کر اہل سنت کے تمام مرکزی علماء نے متفقہ طور پر یہ عقیدہ اختیار کیا ہے کہ اگرچہ صفین وجمل کی جنگوں میں حق حضرت علی رضی اللہ عنہ کے ساتھ تھا لیکن ان کے مقابل حضرت عائشہ، حضرت طلحہ، حضرت زبیر، حضرت معاویہ وغیرہم رضی اللہ عنہم کا موقف بھی سراسر بے بنیاد نہیں تھا، یہ حضرات بھی اپنے ساتھ شرعی دلائل رکھتے تھے اور ان سے جو غلط فہمی صادر ہوئی وہ خالص اجتہادی نوعیت کی تھی۔'' [فتاویٰ عثمانی:۱/۱۷۷]

''حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کا سیاسی موقف چونکہ سیدنا حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کے خلاف اور جمہور اہل السنۃ کے نزدیک حق حضرت علی رضی اللہ عنہ کے ساتھ تھا، اس لیے ان کے مخالفین بالخصوص روافض کو ان کے خلاف پروپیگنڈے کا موقع مل گیا، اور ان کے خلاف الزامات واتہامات کا طومار لگا دیا گیا جس میں ان کے فضائل ومناقب چھپ کر رہ گئے، ورنہ وہ ایک جلیل القدر صحابی، کاتبِ وحی اور ایسے اوصافِ حمیدہ کے مالک تھے کہ آج ان کا تصور بھی نہیں کیا جا سکتا۔'' [جہان دیدہ:۳۰۳]

''میں اللہ کا شکر ادا کرتا ہوں کہ مجھے اصل عربی تواریخ میں مشاجرات صحابہ کے زمانے کے واقعات پڑھنے کا موقع ملا ہے، اور شاید تاریخ کی کوئی کتاب جو آج کل ملتی ہے چھوٹی نہیں، لیکن بحمد اللہ میرا دل و دماغ صحابہ رضی اللہ عنہم کی طرف سے بالکل مطمئن ہے، پہلے میں اہل سنت کے عقائد کا تقلیداً اگر اتباع کرتا تھا، اب بحمد اللہ تحقیقاً ان کا متبع ہوں، اور تمام صحیح وسقیم روایات دیکھنے کے بعد بفضلہٖ تعالیٰ اس عقیدے پر اور زیادہ شرح صدر ہوا ہے۔'' [فتاویٰ عثمانی:۱/۱۸۱]

یزید کے بارے میں مولانا مفتی محمد تقی عثمانی مدظلہم کی رائے:

مولانا موصوف، شہیدِ اسلام مولانا محمد یوسف لدھیانوی رحمہ اللہ کے بارے میں لکھتے ہیں:

''مولانا رحمہ اللہ اپنے دینی مسلک کے لحاظ سے اکابر علماء دیوبند کے سو فیصد نمائندے تھے۔ اور اس کی تمام جزئیات پر ان کی نظر بڑی گہری اور مدلل تھی۔'' [ماہنامہ ''بینات'' شہید اسلام نمبر:۶۲]

اور حضرت شہید اسلام مولانا یوسف لدھیانوی رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

''یزید کو پلید اس کے کارناموں کی وجہ سے کہا جاتا ہے۔ حضرت حسین رضی اللہ عنہ کی شہادت، اہل مدینہ کا قتل عام اور کعبہ شریف پر سنگ باری اس کے تین سالہ دور کے سیاہ کارنامے ہیں۔ یہ کہنا کہ ابن زیاد نے حضرت حسین رضی اللہ عنہ کو قتل کیا، لہٰذا اِس کی کوئی ذمہ داری یزید پر عائد نہیں ہوتی، بالکل غلط ہے۔ ابن

زیاد کو حضرت حسین رضی اللہ عنہ کا مقابلہ کرنے کے لیے ہی تو کوفہ کا گورنر بنایا گیا تھا۔ جہاں تک حدیث شریف میں مغفرت کی بشارت کا تعلق ہے، وہ بالکل صحیح ہے، لیکن اس سے یہ ثابت نہیں ہوتا کہ یزید کے غلط کاموں کو بھی صحیح کہا جائے۔ مغفرت گناہگاروں کی ہوتی ہے، اس لیے مغفرت اور گناہ میں کوئی تعارض نہیں۔ ہاں! یزید کے کفر کا فتویٰ دینا اس پر مبنی ہے کہ اس خاتمے کا قطعی علم ہو، وہ ہے نہیں۔ اس لیے کفر کا فتویٰ اس پر ہم بھی نہیں دیتے، گو یزید کے سیاہ کارناموں کی وجہ سے اس کو بہت سے حضرات نے مستحق لعنت قرار دیا ہے، مگر اس کا نام لے کر لعنت ہم بھی نہیں کرتے، مگر کسی پر لعنت نہ کرنے کے یہ معنی نہیں کہ اس کی حمایت بھی جائے۔ واللہ اعلم"[آپ کے مسائل اور ان کا حل، تخریج شدہ:۴۰۲/۱]

(حضرت بنوری رحمہ اللہ کی تحریر نقل کرنے کے بعد مولانا لدھیانوی شہیدؒ لکھتے ہیں:) "اس تحریر سے معلوم ہوا کہ یزید کے فسق پر تو اہل سنت کا قریب قریب اجماع ہے، البتہ اس میں اختلاف رہا ہے کہ یزید پر لعنت کی جائے یا اس کے معاملے میں توقف کیا جائے۔...... جمہور اکابر اہل سنت اور اکابر دیوبند اس کو گناہ گار مسلمان سمجھتے ہوئے اس پر لعنت کے بارے میں توقف ہی کے قائل ہیں۔"[ایضا:۴۰۶/۱]

معلوم ہوا کہ مولانا مفتی محمد تقی عثمانی مدظلہم کے نزدیک مولانا محمد یوسف لدھیانوی شہید رحمہ اللہ اکابر اہل سنت دیوبند کے مسلک کے سو فیصد نمائندے ہیں۔ اور مولانا لدھیانوی شہید رحمہ اللہ، فسق یزید پر اہل سنت کا قریب قریب اجماع بتا رہے ہیں۔

نیز مولانا تقی عثمانی مدظلہم اپنی مشہور زمانہ تقریر بخاری شریف "انعام الباری" میں فرماتے ہیں:

"اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ آپ ﷺ سے منقول ہے کہ: قسطنطنیہ پر جو پہلا لشکر حملہ کرے گا، وہ "**مغفور لھم**" ہے۔ آپ ﷺ نے ان کی مغفرت کی بشارت دی ہے۔ اور جس شخص کے ہاتھ قسطنطنیہ فتح ہو، اس کے لیے بھی آپ ﷺ نے بشارت دی تھی۔ فتح تو بالآخر سلطان محمد فاتح کے ہاتھ پر ہوا۔ لیکن اس کی ابتدا یزید سے ہوئی تھی۔ اور یوں سب سے پہلا حملہ قسطنطنیہ پر یزید کی قیادت میں ہوا تھا۔ اس کی وجہ سے بعض لوگوں نے کہا کہ: یزید کی تو بڑی فضیلت ہے، کیونکہ حدیث میں پہلے حملہ کرنے والے کو "**مغفور لھم**" کہا گیا ہے۔......

مغفور لھم کے بارے میں معتدل بات:

حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رحمہ اللہ نے "تراجم بخاری" میں اس بارے میں سب سے معتدل بات فرمائی ہے۔ انہوں نے فرمایا کہ: "**مغفور لھم**" سے مراد یہ ہے کہ جو بھی اس لشکر میں شامل تھے، سب کے سابق گناہوں کی مغفرت ہوگئی، لیکن اگر اس کے بعد کسی نے غلط اقدام کیا ہے تو وہ اس حدیث کے منافی نہیں ہے۔ اس لیے اگر یزید سے کچھ غلطیاں بعد میں سرزد ہوئیں اور اس کے معاملات میں کچھ خلاف شریعت امور ظاہر ہوئے تو یہ بعد کی بات ہے۔ اور "**مغفور لھم**" کا معاملہ ماقبل سے متعلق تھا۔

باقی یہ بات کہ یزید کی مغفرت ہوگی یا نہیں؟ اس بحث میں پڑنا ٹھیک نہیں ہے۔ اللہ تعالیٰ جانتے ہیں، وہ چاہیں تو مغفرت کر دیں، چاہیں تو نہ کریں۔ ہم اس بارے میں فیصلہ کرنے والے کون ہوتے ہیں؟ البتہ کسی شخص کے عمل کے بارے میں یہ کہا جاسکتا ہے کہ اس کا یہ عمل شریعت کے مطابق تھا یا نہیں تھا؟ بے شک حضرت حسین رضی اللہ عنہ کی شہادت کا جو واقعہ پیش آیا، اس کی ذمہ داری یزید پر عائد ہوتی ہے۔ اس سے انکار نہیں کیا جاسکتا۔ ان کا یہ عمل خلاف شرع تھا، ان کے اس عمل کو غلط کہا جائے گا۔'' [۴۸۵/۷]

اور ''انعام الباری'' کے افتتاحیہ میں مولانا تقی عثمانی مدظلہم لکھتے ہیں:

''عزیز گرامی مولانا محمد انور حسین صاحب سلمہ [مالک: مکتبة الحراء، فاضل و متخصص: جامعہ دارالعلوم کراچی] نے بڑی محنت اور عرق ریزی سے یہ تحریر ضبط کی، اور پچھلے چند سالوں میں ہر سال درس کے دوران اس کے مسودے میری نظر سے گزرتے رہے۔ اور کہیں کہیں بندے نے ترمیم واضافہ بھی کیا ہے۔...... دوسری طرف مجھے بھی بحیثیت مجموعی اتنا اطمینان ہوگیا کہ: ان شاءاللہ اس کی اشاعت فائدے سے خالی نہ ہوگی۔'' [انعام الباری: ۴/۶]

اور اپنی کتاب ''حضرت معاویہ اور تاریخی حقائق'' میں رقم طراز ہیں:

''یہاں دو مسئلے الگ الگ ہیں:

[۱] حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کا یزید کو ولی عہد بنانا، رائے، تدبیر اور نتایج کے اعتبار سے صحیح تھا یا غلط؟...... جہاں تک پہلے مسئلے کا تعلق ہے اس میں ہمیں..... اختلاف نہیں ہے۔ جمہور امت کے محقق علماء ہمیشہ یہ کہتے آئے ہیں کہ حضرت معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا یہ فعل رائے اور تدبیر کے درجے میں نفس الامری طور پر درست ثابت نہیں ہوا۔ اور اس کی وجہ سے امت کے اجتماعی مصالح کو نقصان پہنچا۔'' [ص: ۱۰۵]

''لیکن اس (یزید) کی یہ غلطی ناقابل انکار ہے کہ اس نے عبیداللہ بن زیاد کو اس سنگین جرم پر کوئی سزا نہیں دی۔'' [حضرت معاویہ اور تاریخی حقائق: ۱۲۸]

''یزید کے بارے میں یہ عقیدہ کافی ہے کہ اس نے حضرت حسین رضی اللہ عنہ کے ساتھ جو سلوک کیا وہ غلط تھا، لیکن اس پر لعنت بھیجنا اہل سنت کا عقیدہ نہیں ہے۔'' [فتاویٰ عثمانی: ۳۰۸/۱]

مذکورہ بالا سطور سے معلوم ہوا کہ مولانا مفتی محمد تقی عثمانی مدظلہم کے نزدیک:

۱...... خلافت راشدہ کا زمانہ تیس سال ہے۔ اور خلفاء اربعہ ہی خلفائے راشدین ہیں۔ حضرت امام حسن رضی اللہ عنہ کی صلح کے بعد سیدنا امیر معاویہ رضی اللہ عنہ خلیفہ برحق تھے۔

۲...... صحابہ کرام کی طرف خطائے اجتہادی کی نسبت کرنا جائز ہے۔ لیکن اس بنا پر اُن پر تنقید کرنا جائز نہیں۔ اور جمہور اہل سنت کے نزدیک مشاجرات صحابہ میں حق حضرت علی رضی اللہ عنہ کے ساتھ تھا۔

۳......(اختیار کے باوجود) عبیداللہ بن زیاد کو سزا نہ دینے کی وجہ سے شہادت سیدنا امام حسین رضی اللہ عنہ کی ذمہ داری یزید پر عائد ہوتی ہے۔اور حدیث **"مغفور لھم"** کا تعلق سابقہ زندگی سے ہے۔بعد کی غلطیوں کے ساتھ نہیں۔لہٰذا اِس سے یزید کی کلی مغفرت ثابت نہیں ہوتی۔البتہ اس پر لعنت کرنا درست نہیں۔

مولانا مفتی طارق مسعود کا مفتی تقی عثمانی مدظلہم کے حوالے سے مغالطہ:

سوشل میڈیا کے ذریعہ شہرت پانے والے، جامعۃ الرشید کراچی کے مدرس ومفتی مولانا مفتی طارق مسعود صاحب، جو سماع موتی کے حوالے سے بندہ کے جدمکرم امام اہل سنت مولانا محمد سرفراز خان صفدر رحمہ اللہ پر اور شیعہ سنی مسئلہ کے حوالے سے اکابر اہل سنت دیوبند رحمہم اللہ پر بہتان باندھ چکے ہیں (جس کی تفصیل ان شاء اللہ آئندہ کسی شمارے میں عرض کی جائے گی۔) اُنہوں نے یزید کے معاملہ میں مولانا مفتی تقی عثمانی مدظلہم کے بارے میں بھی مغالطہ دینے کی کوشش کی ہے، چنانچہ کہتے ہیں:

''یزید کے بارے میں حضرت مفتی تقی عثمانی صاحب کی رائے معتدل ہے، میرے خیال میں۔اُن کی رائے یہ ہے کہ: یزید کا حضرت حسین کے قتل میں شریک ہونا، یا اُن کے حکم پہ قتل کرنا یہ کسی مستند روایت سے ثابت نہیں ہے۔......شرعی شہادت چاہیے نا فاسق قرار دینے کے لیے، تو وہ نہیں ہے۔......اس بنا پر حضرت مفتی تقی صاحب کی رائے یہ ہے کہ یزید کے بارے میں کیا کِیا جائے؟ خاموش۔'' (یعنی نہ فاسق کہا جائے، نہ عادل [ناقل]) [مفتی طارق مسعود صاحب کی یہ ریکارڈنگ محفوظ ہے۔]

حالانکہ قارئین جان چکے ہیں حضرت مفتی تقی صاحب نے واضح الفاظ میں فرمادیا ہے کہ: ''حضرت حسین رضی اللہ عنہ کی شہادت کا جو واقعہ پیش آیا ہے، بے شک اس کی ذمہ داری یزید پر عائد ہوتی ہے۔اس کا انکار نہیں کیا جاسکتا۔اور یہ خلاف شرع عمل تھا۔'' اِس دوٹوک صراحت کے باوجود مفتی طارق مسعود صاحب کا مفتی تقی صاحب مدظلہم کے نام پر مغالطہ دینا سراسر ناانصافی اور یزیدی طریقہ کار ہے۔

مولانا مفتی تقی عثمانی مدظلہم کا نام استعمال کرنے والے یزیدی گروہ سے گزارش:

جو احباب یزید کو ''خلیفہ عادل'' اور ''امیر المؤمنین'' ثابت کرنے کے لیے مولانا مفتی محمد تقی عثمانی مدظلہم کا نام استعمال کررہے ہیں، اُن سے ہم عرض کرنا چاہیں گے کہ: ہمارے دین نے ہمیں قرآن وسنت کی تشریحات میں اجماع امت کی پیروی اور سوادِ اعظم سے وابستہ رہنے کا حکم دیا ہے، اس کے خلاف کسی کی ذاتی رائے کی پیروی کی اجازت نہیں ہے۔ہماری گزارشات سے واضح ہوگیا کہ مولانا مفتی محمد تقی عثمانی مدظلہم یزید کو شہادت حسین کا ذمہ دار قرار دیتے ہیں۔اس کے باوجود اُن کی طرف ''عدالت یزید'' کے قائل ہونے یا یزید کے بارے میں ''سکوتِ مطلق'' کی نسبت کرنا دیانت وانصاف سے بہت دُور ہے۔

(بقیہ صفحہ نمبر 63 پر)

افادات: حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی صاحب تھانوی رحمہ اللہ
مرتب: ماسٹر منظور حسین

اصحابِ اُحد اور قرآن

صحابہ کرام کی عجیب اور نرالے طرز پر تربیت اور دل جوئی و تسلی کا نرالہ انداز

اعوذ باللہ من الشیطن الرجیم. بسم اللہ الرحمن الرحیم. فَبِمَا رَحْمَةٍ مِّنَ اللّٰهِ لِنْتَ لَهُمْ وَ لَوْ كُنْتَ فَظًّا غَلِيْظَ الْقَلْبِ لَانْفَضُّوْا مِنْ حَوْلِكَ فَاعْفُ عَنْهُمْ وَ اسْتَغْفِرْ لَهُمْ وَ شَاوِرْهُمْ فِي الْاَمْرِ فَاِذَا عَزَمْتَ فَتَوَكَّلْ عَلَى اللّٰهِ اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الْمُتَوَكِّلِيْنَ. [آل عمران:۱۵۹] ترجمہ: ''بعد اس کے خدا ہی کی رحمت کے سبب آپ ان کے ساتھ نرم رہے اور اگر آپ تند خُو سخت طبیعت ہوتے تو یہ آپ کے پاس سے سب منتشر ہو جاتے۔ سو آپ ان کو معاف کر دیجیے اور آپ ان کے لیے استغفار کر دیجیے اور ان سے خاص خاص باتوں میں مشورہ لیتے رہا کیجیے پھر جب آپ رائے پختہ کرلیں سو خدا تعالیٰ پر اعتماد کیجیے۔ بے شک اللہ تعالیٰ ایسے اعتماد کرنے والوں سے محبت فرماتے ہیں۔'' [بیان القرآن]

حاصل اس آیت کا یہ ہے کہ ایک واقعہ میں حضور ﷺ کو ارشاد ہے صحابہ کے ساتھ خاص برتاؤ کرنے کا، غالباً واقعہ تو سب کو معلوم ہوگا مگر مجملاً میں بھی ذکر کرتا ہوں۔ بعض صحابہ سے غزوۂ احد میں ایک غلطی ہو گئی تھی اور یہ کوئی تعجب کی بات نہیں۔

گرتے ہیں شہوار ہی میدانِ جنگ میں — وہ طفل کیا گرے جو گھٹنوں کے بل چلے

غلطی کا وقوع صحابہ رضی اللہ عنہم سے قابل تعجب نہیں وہ شہسوار تھے جو کبھی کبھی گھوڑے سے گر گئے بلکہ اس میں حکمتیں ہوتی ہیں جن کو اہل طریق نے مختلف عنوانوں سے بیان کیا ہے۔ چنانچہ ایک عنوان جو سب سے بڑھ کر ہے، وہ ہے جس کو نظامی فرماتے ہیں ؎

گناہِ من ار نامدے در شمار — ترا نام کے بودے آمرز گار

غرض کاملین سے صدور خطا ہونے میں بہت سی حکمتیں ہوتی ہیں۔ اُن کی خطاء کی مثال سنکھیا جیسی ہے۔ سنکھیا کو حکیم مدبر کر کے کھلا دے گا تو مفید ہوگا اور نا تجربہ کار و یسے ہی کھالے گا تو مر جائے گا۔ پس یاد رکھو کہ صحابہ رضی اللہ عنہم کے خطاء کی یہ شان ہے۔ ؎

گر خطا گوید درا خاطی مگر — در شود پر خون شہید آں رامشو

خون شہیداں را از آب اولیٰ ترست — ایں خطا از صد صواب اولیٰ ترست

صحابہ رضی اللہ عنہم کی غلطی اجتہاد سے ہوتی ہے:

اور اس میں راز یہ ہے کہ اُن کی غلطی اجتہاد سے ہوتی ہے اور ہماری غلطی فساد وعناد سے ہوتی ہے مگر باوجود خطائے اجتہادی ہونے کے سزا اور تنبیہ کے وقت وہ فوراً خطا وار ہونے کا اقرار کر لیتے ہیں۔ اجتہاد کا عذر پیش نہیں کرتے کیونکہ تنبیہ کے وقت تاویل کرنا گستاخ وبے ادب کا کام ہے۔ گوحق تعالیٰ نے یہ نہیں فرمایا کہ صحابہ کی یہ غلطی اجتہاد سے تھی مگر اس کے خلاف بھی تصریح نہیں، پس مسکوت عنہ ہے، اب اگر کسی اور طریق سے اس کا خطاء اجتہادی ہونا ثابت ہوجائے تو انکار کی گنجائش نہ رہے گی۔ چنانچہ دوسرے دلائل سے اس کا اجتہادی ہونا معلوم ہوتا ہے۔ اس کی مختصر تقریر بھی عنقریب آرہی ہے۔

قصّہ غزوۂ اُحد:

اب میں قصہ بیان کرتا ہوں۔ شروع یوں ہوا تھا کہ حضور ﷺ نے غزوۂ احد میں ایک گھاٹی پر پچاس تیر اندازوں کو بٹھا دیا اور یوں ارشاد فرمایا کہ تم اس گھاٹی پر سے چاہے ہمارا کچھ ہی حال ہو، ہٹنا نہیں۔ اس کے بعد جب لڑائی شروع ہوئی اور کفار بھاگنے لگے تو اُن پچاس صحابہ میں سے اکثر کی رائے یہ ہوئی کہ چلو غنیمت اکٹھا کرنے میں ہم بھی شریک ہوں۔

صحابہ رضی اللہ عنہم پر طمع دنیوی کے طعن کا جواب:

یاد رکھو! ان صحابہ کی یہ شرکت فی الغنیمت کسی دنیوی غرض سے نہیں تھی کیونکہ غنیمت کا حکم یہ ہے کہ جو بھی جہاد میں شریک ہوا اس کو غنیمت سے حصہ ملتا ہے، خواہ وہ اکٹھا کرنے میں شریک ہو یا نہ ہو۔ یہ نہیں کہ جس کے جو ہاتھ لگے وہ لے بھاگا۔ بلکہ اوّل سب غنیمت کو جمع کر کے پھر سب مجاہدین پر تقسیم کیا جاتا ہے۔ جب یہ معلوم ہوگیا تو اگر وہ صحابہ گھاٹی پر بیٹھے رہتے تب بھی ان کو اتنا ہی حصہ ملتا جتنا کہ جمع کرنے میں شرکت کے بعد ملا۔ تو یہ نہیں کہہ سکتے کہ انہوں نے تحصیلِ مال کے لیے شرکت کی تھی بلکہ محض قتال میں شرکت چاہی تھی تاکہ ثواب میں اضافہ ہو، کیونکہ ان لوگوں نے ظاہر میں اب تک کچھ کام نہ کیا تھا صرف گھاٹی پر خالی ہی بیٹھے رہے تھے۔ وہ یہ سمجھے کہ ہم نے کچھ کام نہیں کیا۔ لاؤ جہاد میں ہم بھی عملی حصہ لیں۔ خوب سمجھ لو! بے علمی کی وجہ سے بعض لوگ[۱] صحابہ پر طمع دنیوی کا طعن کرتے ہیں حالانکہ یہ بالکل غلط ہے جیسا کہ مفصل معلوم ہو چکا۔

القصہ سردار تو مع چند آدمیوں کے وہاں پر رہ گئے اور باقی سب شریکِ غنیمت ہوگئے، خالد بن ولید

[۱]......جیسے مودودی صاحب [بانی: جماعتِ اسلامی] صحابہ پر طعن کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ: جن تیر اندازوں کو نبی ﷺ نے عقب کی حفاظت کے لیے بٹھایا تھا انہوں نے جب دیکھا کہ دشمن کا لشکر لُوٹا جا رہا ہے تو ان کو اندیشہ ہوا کہ کہیں ساری غنیمت انہی لوگوں کو نہ مل جائے جو اسے لُوٹ رہے ہیں اور ہر تقسیم کے موقع پر محروم رہ جائیں۔ تفسیر تفہیم القرآن: ۱/۲۹۹) اور شیعہ بھی یہی کہتے ہیں۔ (مرتب)

رضی اللہ عنہ اس وقت تک مسلمان نہ ہوئے تھے۔ ان کو جاسوس نے خبر دی کہ گھاٹی خالی ہوگئی ہے۔ وہ فنونِ حرب کے بڑے ماہر تھے، فوراً سپاہیوں کی ایک تعداد کو لے کر گھاٹی پر آ پہنچے اور جو چند صحابہ وہاں رہ گئے تھے ان کو قتل کر کے پیچھے سے مسلمانوں پر حملہ کر دیا کیونکہ گھاٹی پر جو چند مسلمان باقی رہ گئے تھے وہ ان کے مقابلے کو ناکافی ہوئے۔ اُدھر کفار کو جب معلوم ہوا کہ گھاٹی پر ان کے آدمی پہنچ گئے تو وہ بھی بھاگتے بھاگتے واپس لوٹے۔ اس طرح صحابہ درمیان میں پس گئے۔ اس ہلڑ میں آنحضرت ﷺ کا دندانِ مبارک شہید ہوگیا اور خود پر پتھر آکر لگا۔ وہ سَر مبارک میں گھس گیا۔ آپ ﷺ تکلیف کے باعث ایک جگہ سایہ میں تشریف فرما ہوئے تو شیطان نے اعلان کر دیا۔ **الا ان محمد قد قتل** یعنی محمد (ﷺ) شہید ہوگئے۔ یہ حالت اور یہ اعلان۔ اس پر عشاق کے پاؤں اُکھڑ گئے۔ بہرحال اس واقعہ میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے دو غلطیاں ہوئیں۔ ایک تو گھاٹی پر سے ہٹ جانا، اس کا منشاء تو اجتہاد تھا، دوسری غلطی بھاگنا اور پاؤں اُکھڑنا۔

صحابہؓ کے پاؤں اکھڑنے کی وجہ:

اس میں خطاء اجتہاد سے زیادہ عذر تھا یعنی یہ غلطی حیرانی اور بے ہوشی کی وجہ سے ہوئی جو کہ آنحضرت ﷺ کی وفات کا اعلان سُن کر صحابہؓ پر طاری ہوگئی تھی۔ کیا اس اعلان کے بعد مسلمانوں کے ہوش قائم رہ سکتے تھے؟ خاص کر جب کہ صحابہؓ کے قلب میں اس کا خیال بھی نہ گزرتا تھا۔ گو یہ عقیدہ ضرور تھا کہ حضور ﷺ کی وفات ہوگی مگر غلبۂ محبت کی وجہ سے اس جانب التفات نہ ہوتا تھا۔ اور اس پر تعجب نہ کریں کہ یہ کیسے ممکن ہے...... میں کہتا ہوں کہ سید الانبیا ﷺ کے متعلق اگر صحابہ کی یہ حالت ہو تو کیا تعجب ہے؟ غایت محبت کے سبب صحابہ آپ ﷺ کی حیات ہی کے مشتاق تھے۔ اس کے خلاف ان کو وسوسہ بھی نہ ہوتا تھا۔ اسی لیے تو حق تعالیٰ نے آپ ﷺ کی وفات کو بہت اہتمام سے بیان فرمایا: **وَمَا مُحَمَّدٌ اِلَّا رَسُوْلٌ قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِهِ الرُّسُلُ اَفَائِنْ مَّاتَ اَوْ قُتِلَ انْقَلَبْتُمْ عَلٰٓى اَعْقَابِكُمْ** اور صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے حضور ﷺ کی وفات کے وقت یہی آیت پڑھی تھی جب کہ حضرت عمرؓ جیسا مستقل مزاج شخص بھی گھبرا اُٹھا اور وہ ننگی تلوار لیے کھڑے تھے کہ: جو شخص حضور ﷺ کی وفات کا نام لے گا اس کی گردن اُتار دوں گا۔ اب سوچو! کہ جس کو کبھی یہ خیال ہی نہ ہو کہ حضور ﷺ کی وفات ہمارے سامنے ہوگی بلکہ خود اپنی نماز جنازہ حضور ﷺ سے پڑھوانا چاہتے ہوں نہ کہ خود حضور ﷺ کی نماز پڑھنا، اِس اعلان کو سُن کر ان کا کیا حال ہوگا؟ واقعی عاشق تو یہی چاہا کرتا ہے کہ میں پہلے مروں تاکہ محبوب کو میرے جنازہ پر آکر میری بے کسی اور ثبات فی العشق کا مشاہدہ ہو کہ محبت میں ایسا پختہ رہا کہ اس میں مرگیا۔ عاشق کبھی نہیں سوچتا کہ محبوب میرے سامنے مرے اور میں اس کی قبر پر جاؤں اس تصور کی اس کو ہمت کہاں ہوتی ہے۔

[وعظ الرحمۃ: ۳۱، علی الامۃ بحوالہ رسالہ المبلغ نمبر ۱۱، ج ۶، بابت ماہ شعبان ۱۳۵۴ھ]

صحابہؓ کے قدم اکھڑنے پر اعتراض نہیں ہوسکتا:

صحابہؓ کے قدم اکھڑنے پر اعتراض نہیں ہوسکتا، بلکہ اگر ان کے قدم نہ اکھڑتے تو بعض کو یہ شبہ ہوسکتا تھا کہ ان کے دل میں محبت [۱] نہ تھی۔ رہا یہ کہ پھر اللہ تعالیٰ نے کیوں عتاب فرمایا؟

اس کا جواب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے بھاگنے اور قدم اکھڑنے پر عتاب نہیں فرمایا بلکہ معصیتِ رسول ﷺ پر عتاب فرمایا جو کہ فعلِ اختیاری تھا اور قدم کا اکھڑ جانا مغلوب الحال لوگوں کے لیے غیر اختیاری تھا اور گو اس معصیت میں بھی اجتہادی غلطی تھی (کہ گھاٹی والے صحابہؓ نے ثواب کا مدار مباشرت عمل کو سمجھا حالانکہ اس کا مدار محض اطاعت پر ہے خواہ بصورتِ عمل ہو یا بصورت ترک عمل، ۱۲ ظفر احمد عثمانی) مگر اجتہادی غلطی پر بھی عتاب لطیف ہوسکتا ہے، وہاں عقاب نہیں ہوتا اور اجتہادی غلطی پر عتاب کا حاصل یہ ہوتا ہے کہ تم نے پوری طرح سمجھ سے کیوں نہیں کام لیا۔

جب گھاٹی پر سے ہٹنے کا یہ نتیجہ سامنے آیا تو صحابہ خود شرمندہ ہوئے کہ ہم سے بے جا حرکت ہوئی پھر حضور ﷺ کو اس سے رنج پہنچا تو زیادہ شرمندگی ہوئی پھر اللہ تعالیٰ کے عتاب سے اور بھی شرمندگی بڑھ گئی تو اب اللہ تعالیٰ کو یہ بھی گوارا نہ ہوا کہ ان کی شرمندگی حد سے بڑھے، اِس لیے غم کو ہلکا کرنے کے لیے اس واقعہ کی بعض حکمتیں بیان فرماتے ہیں کہ تمہارا اس میں بھلا ہوگیا۔ اس لیے غم نہ کرو۔

[وعظ ''السبر بالصبر، التبلیغ: ۲/۲ نمبر ۲ جلد ۲، ......ماہ ذیعقدہ ۴۹ھ]

چند حکمتیں:

ایک تو یہ کہ اس قوم کو بھی (جو کہ تمہارے مقابل تھی یعنی کفار) ایسے ہی زخم (وصدمہ) پہنچ چکا ہے (چنانچہ گزشتہ سال بدر میں وہ صدمہ اٹھا چکے ہیں) اور (ہمارا معمول ہے کہ) ہم ان ایام کو (یعنی غالب و مغلوب ہونے کے زمانہ کو) ان لوگوں کے درمیان ادلتے بدلتے رہا کرتے ہیں (یعنی کبھی ایک قوم کو غالب اور دوسری کو مغلوب کر دیا۔ کبھی اس کا عکس کر دیا، سو اسی معمول کے موافق پارسال وہ مغلوب ہوئے تھے۔ اب کے تم ہوگئے، ایک حکمت تو یہ تھی) اور (دوسری حکمت یہ ہے) تا کہ اللہ تعالیٰ ایمان والوں کو (ظاہری طور پر بھی جان لیویں (کیونکہ مصیبت کے وقت مخلص اور منافق کا امتحان ہوجاتا ہے) اور (تیسری حکمت یہ ہے

---

[۱]......بعض کی قید اس لیے لگائی کہ بعض کو یہ شبہ اس لیے نہ ہوتا کہ محبوب کے قتل کی خبر سن کر یہ ضرور نہیں کہ محبّ عاشق بھاگ ہی جائے تو محبت کا ثبوت ہو بلکہ اگر وہ دشمن سے انتقام محبوب کے لیے پہلے سے زیادہ غیظ و غضب کے ساتھ مقابلہ کرے اور قاتلین کو فنا کردے یا خود فنا ہوجائے تو زیادہ دلیل محبت ہے۔ کما فعل الذین ثبتوا ولم یغیروا وھم اثنا عشر رجلاً. ([۱۲۔ظفر احمد عثمانی]

کہ) تم میں سے بعضوں کو شہید بنانا تھا اور (چوتھی حکمت یہ ہے) تا کہ (گناہوں کے) میل کچیل سے صاف کردے ایمان والوں کو (کیونکہ مصیبت سے اخلاق واعمال کا تصفیہ ہو جاتا ہے) اور (پانچویں حکمت یہ ہے کہ) مٹا دیوے کافروں کو (یہ دو طور پر ہے۔ایک یہ کہ غالب آ جانے سے جرأت بڑھے گی پھر مقابلہ میں آویں گے اور ہلاک ہوں گے۔دوسرے یہ کہ مسلمانوں پر ظلم کرنے سے قہر خداوندی میں مبتلا ہو کر ہلاک ہوں گے) اور اوّل حکمت جو تداول (باری سے کرنا۔کبھی ایک فریق کا غالب آنا، کبھی دوسرے کا۔[ناقل]) کو فرمایا خود اس تداول میں بہت سے مصالح وحکم ہیں جن میں سے ایک بڑی حکمت یہ معلوم ہوتی ہے کہ اس عالم میں مکلّف کا ابتلا باقی رہے اور اگر ہمیشہ مسلمان ہی غالب رہتے تو ایمان لانا کچھ بھی کمال اور مبنی بر بصیرت نہ ہوتا اور عکس میں بھی ضعفاء فتنہ شدیدہ میں پڑ جاتے۔[تفسیر بیان القرآن:۱/۱۳۷]

☆......ایک نئی بات کہتا ہوں، بعض اوقات بدون سزا کے معافی دے دینے پر اہل دل اس قدر شرمندہ ہوتے ہیں کہ کچھ سزا مل جاتی تو اتنے شرمندہ نہ ہوتے۔سزا مل جانے پر تو کچھ شرمندگی کم ہو جاتی، مگر سنگین جرم کو ویسے ہی معاف کر دینا تو گویا ان کو ذبح کر دینا ہے۔اب تو مارے ندامت کے وہ زمین میں گڑ جاتے ہیں۔یہ ایک حالت ہے جس پر گزرتی ہے وہی اس کو سمجھ سکتا ہے اور جس نے اس حالت کو سمجھا ہو گا وہ اس آیت کی تفسیر بے تکلف سمجھ لے گا **فَاَثَابَکُمْ غَمًّا بِغَمٍّ لِّکَیْلَا تَحْزَنُوْا عَلٰی مَا فَاتَکُمْ** (سو خدا تعالیٰ نے تم کو پاداش میں غم دیا بسبب غم دینے کے تا کہ تم مغموم نہ ہو اس چیز پر جو تمہارے ہاتھ سے نکل گئی ہے)......حق تعالیٰ نے اس واقعہ میں مسلمانوں پر مصیبت آنے کا سبب اُن صحابہ کی غلطی اجتہادی کو قرار دیا جو حضور ﷺ کی اجازت کے بغیر گھاٹی سے ہٹ گئے تھے۔چنانچہ ارشاد ہے۔**وَ عَصَیْتُمْ مِّنْۢ بَعْدِ مَآ اَرٰکُمْ مَّا تُحِبُّوْنَ** (اور تم کہنے پر نہ چلے بعد اس کے کہ تم کو تمہاری دل خواہ بات دِکھائی گئی تھی)۔اس کے بعد بطور عتاب کے فرماتے ہیں: **فَاَثَابَکُمْ غَمًّا بِغَمٍّ لِّکَیْلَا تَحْزَنُوْا عَلٰی مَا فَاتَکُمْ** (یعنی پھر خدا تعالیٰ نے تم کو بھی غم دیا بدلہ (اُس) غم کے (جو تم نے نافرمانی کر کے رسول ﷺ کو دیا تھا) اس کے بعد اس انتقام کی حکمت ارشاد فرماتے ہیں۔**لِّکَیْلَا تَحْزَنُوْا عَلٰی مَا فَاتَکُمْ** تا کہ تم کو (انتقام لینے کے بعد) اس بات پر زیادہ رنج نہ ہو (جو تم سے فوت ہو گئی تھی) یہ وہی بات ہے جو میں نے ابھی بیان کی تھی کہ بعض شریف طبعیتوں پر خطاء کا انتقام نہ لینے سے ندامت زیادہ غالب ہوتی ہے اور انتقام لے لینے سے ندامت کم ہو جاتی ہے، اسی بناء پر ارشاد ہے کہ ہم نے تم کو تھوڑی سی مصیبت اس لیے دے دی تا کہ بدون سزا کے معافی دینے سے تم پر ندامت ورنج کا زیادہ غلبہ نہ ہو۔[وعظ ''ذم النسیان'' سلسلہ التبلیغ کا ۳۷واں وعظ]

جنگِ اُحد میں جو فتح کے بعد شکست ہوئی حق تعالیٰ نے اس کا ایک سبب [۱] یہ بھی بتلایا ہے کہ اس مورچہ والی جماعت نے حضور ﷺ کے حکم کی مخالفت کی، اس لیے ہم نے فتح کے بعد تم کو شکست دے دی۔ **عصیتم من بعد ما ارئکم ماتحبون.** [وعظ العبرة بذبح البقره:۳۰]

ایک شبہ کا ازالہ:

بعض مفسرین نے اس جگہ **لِّكَيْلَا تَحْزَنُوْا** (تا کہ تم مغموم نہ ہو) میں **لا** نافیہ کو زائد مانا ہے۔ ان کو یہ خیال ہوا کہ موقع عتاب کا ہے اور سزا تو رنج دینے ہی کے لیے دی جاتی ہے پھر اس کا کیا مطلب کہ "تم کو اس لیے غم دیا تا کہ تم مافات پر رنج نہ کرو"۔ ان کے نزدیک **لا** کو اپنے معنی پر رکھ کر مطلب نہ بن سکا اس لیے انہوں نے **لا** کو زائد کر کہ یہ مطلب بیان کیا کہ "تم کو غم دیا تا کہ تم کو مافات پر رنج ہو۔" مگر جس نے اس حالت کو سمجھا ہے جو میں نے ابھی بیان کی ہے وہ سمجھے گا کہ حضرات صحابہ رضی اللہ عنہم خدا اور رسول ﷺ کے عاشق تھے۔ اگر ان کی خطا بدون کسی انتقام کے معاف کر دی جاتی تو عمر بھر مارے ندامت کے آنکھ نہ اٹھا سکتے، اس لیے ان کو تھوڑی سی مصیبت دے دی گئی تا کہ زیادہ رنج غالب نہ ہو۔ پس یہ کہنا غلط ہے کہ: "سزا ہمیشہ رنج دینے ہی کے ہوا کرتی ہے۔" بلکہ بعض دفعہ رنج کو کم کرنے کے لیے بھی سزا دی جایا کرتی ہے اس حالت پر نظر کر کے تفسیر نہایت صاف ہے اور **لا** کو زائد کہنے کی کچھ ضرورت نہیں۔ [وعظ ذم النسیان]

صحابہ کی دل نشین انداز میں دل جوئی:

حضرات صحابہ رضی اللہ عنہم چونکہ بعد توبہ کے بھی غم میں مبتلا تھے اور یہ کسی وقت مضر ہوتا، حق تعالیٰ نے ان آیات میں اور ان کے سیاق وسباق میں اس غم کو خفیف فرمایا۔ چنانچہ ایک تسلی او پر فرمائی [۲]۔ **فَاَثَابَكُمْ غَمًّا بِغَمٍّ لِّكَيْلَا تَحْزَنُوْا الایة** اور اس تقریر پر **لا** کو زائد لکھنے کی بھی ضرورت نہیں بلکہ صاف مطلب ہے کہ ہم نے تم کو غم اس لیے دیا تھا کہ اس کو پاداش سمجھ کر تمام تر حزن ہلکا ہو جائے، کیونکہ مطیع کے لیے یہ بھی ایک

---

[۱] لیکن اس کے برعکس مودودی صاحب سورہ آل عمران آیت نمبر ۱۳۰ رکی تفسیر میں نمبر ۹۸ ر کے تحت لکھتے ہیں: اُحد کی شکست کا بڑا سبب یہ تھا کہ مسلمان عین کامیابی کے موقعہ پر مال کی طمع سے مغلوب ہو گئے اور اپنے کام کو تکمیل تک پہنچانے کے بجائے غنیمت لوٹنے میں لگ گئے"۔ پھر اس کے بعد نمبر ۹۹ ر کے تحت لکھتے ہیں: سود خوری جس سوسائٹی میں موجود ہوتی ہے اس کے اندر سود خوری کی وجہ سے دو قسم کے اخلاقی امراض پیدا ہوتے ہیں۔ سود لینے والوں میں حرص وطمع، بخل اور خود غرضی اور سود دینے والوں میں نفرت، غصہ اور بُغض وحسد، احد کی شکست میں ان دونوں قسم کی بیماریوں کا کچھ نہ کچھ حصہ شامل تھا۔ الخ [تفسیر تفہیم القرآن: ا ر ۲۸۷۔ ۲۸۸ ر تیرہواں ایڈیشن جنوری ۱۹۷۶ء] (مرتب)

[۲] ترجمہ: سو خدا تعالیٰ نے تم کو پاداش میں غم دیا بہ سبب غم دینے کے" (بیان القرآن) نمبر ۲ ترجمہ: "اور یقین سمجھو کہ اللہ تعالیٰ نے ان کو معاف فرما دیا" نمبر ۳ ترجمہ: اس کے سوا اور کوئی بات نہیں ہوئی کہ ان کو شیطان نے لغزش دے دی ان کے بعض اعمال کے سبب سے۔" نمبر ۴ ترجمہ: "تو کیا ایسے وقت میں تم یوں کہتے ہو۔" نمبر ۵: ترجمہ تا کہ اللہ تعالیٰ مومنین کو بھی دیکھ لیں۔

موت ہے کہ اس کی خطاء پر سزا نہ ہو، وہ اس سے کچھ ہلکا ہو جاتا ہے اگر کچھ سزا دے دی جائے۔ دوسری تسلی اس آیت میں فرمائی: **لَقَدْ عَفَا اللّٰهُ عَنْهُم** ۔تیسری تسلی بعد میں فرمائی **فباذن الله.** الایۃ (حقیقتاً صحابہ کو اس سے زیادہ تسلی دینے والا کوئی مضمون نہیں ہو سکتا) کہ ''اُس دن تم کو جو مصیبت پہنچی وہ اللہ تعالیٰ کے اذن سے پہنچی۔'' اور اگر غور کیا جائے ان آیات میں اور بھی وجوہ تسلی متعدد ہیں، مثلاً: **اسْتَزَلَّهُمُ الشَّيْطٰنُ بِبَعْضِ مَا كَسَبُوْا** اور مثلاً: **قد اصبتم مثلها** اور مثلاً: **وليعلم المومنين.** الایۃ. [**وعظ الجناح**]

ازالہ حسرتِ مغلوبیت از قلوب صحابہؓ:

اِنْ يَّنْصُرْكُمُ اللّٰهُ فَلَا غَالِبَ لَكُمْ (الی قولہ) **وعلى الله فليتوكل المومنين** ۔اگر حق تعالیٰ تمہارا ساتھ دیں تب تو تم سے کوئی نہیں جیت سکتا اور اگر تمہارا ساتھ نہ دیں تو اس کے بعد کون ہے جو تمہارا ساتھ دے (اور تم کو غالب کر دے) اور صرف اللہ تعالیٰ پر ایمان والوں کو اعتماد رکھنا چاہیے۔ ف: حاصل ازالۂ حسرت کا یہ ہوا کہ غالب مغلوب کرنا خدا تعالیٰ کے قبضہ میں ہے مثلاً بدر میں اپنی رحمت سے غالب کر دیا۔ اُحد میں اپنی حکمت سے مغلوب کر دیا۔ پس جب پورا پورا یہ امر تمہاری قدرت میں نہیں تو اس قدر اس کے پیچھے اپنے جی کو نہ ڈالو۔ جو ہو گیا ہو گیا۔ اس میں جو آفت معصیت سے آئی اس سے توبہ کر لو۔ آئندہ کے لیے اللہ تعالیٰ پر نظر رکھو یعنی اس سے توفیق مانگو کہ معصیت سے محفوظ رکھیں اور پھر جو مصیبت نازل ہو اس کو اس کارساز کی طرف سے خیر اور مصلحت سے سمجھو۔ فقط [تفسیر بیان القرآن: ۱/۱۴۴]

میں یہ کہہ رہا تھا کہ صحابہ رضوان اللہ تعالیٰ اجمعین کی یہ لغزش اجتہاد اور عذر کی بنا پر تھی جیسا کہ میرے بیان سے واضح ہو گیا ہوگا جس سے صحابہؓ دلگیر تھے۔ ان کے غم کو حق تعالیٰ نے اس طرح دور فرمایا: **فَاَثَابَكُمْ غَمًّا ۢ بِغَمٍّ لِّكَيْلَا تَحْزَنُوْا** یعنی تم نے ہمارے نبی کو غم دیا ہم نے اس کے بدلہ میں تم کو غم دیا اور وجہ یہ فرمائی **لِّكَيْلَا تَحْزَنُوْا** (تاکہ تم مغموم نہ ہو)......پس اس طرح صحابہؓ سے بدلہ لے کر آئندہ کے لیے ان کے غم کو ختم کر دیا مگر اس سے گو وہ غم تو ختم ہو گیا جو صحابہؓ کو بدلہ نہ لینے سے ہوتا، لیکن ایک دوسرا غم تو باقی رہ گیا کہ حضور ﷺ کی طبیعت پر اُن کی طرف سے حُزن تھا۔ جب چہرہ مبارک کو دیکھتے کہ پہلی سی بشاشت نہیں ہے تو اور بھی رنج میں اضافہ ہو جاتا۔ صحابہؓ اس کی تاب کہاں لا سکتے تھے......حضرات صحابہ آپ کے انقباض اور بے رُخی کو کہاں برداشت کر سکتے تھے۔ بس اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے حضور ﷺ کے اس انقباض کو دُور فرمایا۔ اس واقعہ اُحد سے معلوم ہوتا ہے کہ حق تعالیٰ کو مسلمانوں (یعنی صحابہ کرامؓ) کی راحت کا کس درجہ اہتمام ہے۔

اوّل **لقد عفا الله عنهم** (اور یقین سمجھو کہ اللہ تعالیٰ نے ان کو معاف فرما دیا) فرما چکے ہیں، جس سے آخرت کی طرف سے بے فکر کر دیا گیا کہ تم سے وہاں گرفت نہ ہو گی۔ اس کے بعد ان کی دنیوی راحت کا

سامان فرماتے ہیں کیونکہ اگر صرف آخرت ہی میں مسلمانوں پر رحمت مقصود ہوتی تو یہی کافی تھا **عفا اللہ عنہم** بلکہ اس کی جگہ اس کی اطلاع دینے کی بھی ضرورت نہ تھی۔ جب آخرت میں پہنچتے وہاں رحمت فرما دیتے۔ مگر اس پر بس نہیں کیا گیا بلکہ دنیا میں بھی ان کو اس طرح راحت پہنچائی کہ حضور ﷺ کا انقباض جو صحابہؓ کے لیے موجب کوفت تھا اس کے ازالہ کا بھی اہتمام کیا گیا۔ اگر حق تعالیٰ کو دنیا میں صحابہ کو راحت دینا منظور نہ تھا تو یہ اہتمام کیا جاتا؟

اس واقعہ میں صحابہ کی لغزش پر تنبیہ کر دینے کے بعد صحابہ کا غم دور کرنے کے لیے حضور ﷺ کو ایک خاص ارشاد ہے: عفو و استغفار للصحابہ کا۔ [وعظ الرحمۃ:۴۲] وجہ یہ ہے کہ صحابہ میں سے بعض سے حضور ﷺ اس لیے ناخوش ہوگئے تھے کہ ان سے کچھ کوتاہی (جس کا حاصل کسی قدر تجاوز حدود شرطیہ سے) ہوگئی تھی۔ گو صحابہؓ اس میں معذور تھے (اس لیے کہ بقصد تجاوز ان سے وہ کوتاہی نہیں ہوئی تھی) اور حضور ﷺ بھی حق بجانب تھے۔ اس لیے کہ گو تعمد (ارادہ) نہ تھا لیکن تاہم غفلت تو تھی، اس لیے حضور ﷺ قدرے ناخوش ہوگئے تھے مگر حق تعالیٰ کی بڑی رحمت ہے نیز نظر ہے بندے کے عذروں پر......اس لیے اللہ تعالیٰ اُن (صحابہؓ) کو معذور فرما کر حضور ﷺ کو ان کی خطائیں معاف کرنے کا امر فرماتے ہیں۔

ہر چند کہ وہ حقوق جن میں صحابہؓ سے کوتاہی ہوئی تھی حقوق اللہ ہی تھے کہ قانون کے اعتبار سے ان کو معاف کرنے میں حق تعالیٰ کو اختیار ہے اور قانون کے اعتبار سے میں نے اس لیے کہا کہ واقعہ کے اعتبار سے تو اللہ تعالیٰ کو یہ بھی اختیار ہے کہ بندہ کے حقوق بھی معاف فرما دیں اس لیے کہ وہ حقوق العباد در حقیقت اللہ ہی کے حقوق ہیں، اس لیے کہ اللہ تعالیٰ ہر شے کے مالک ہیں تو بندے کے اموال اور نفس اور عزت و آبرو کے بھی وہی مالک ہیں تو جو کوئی کسی بندہ کو مالی یا جسمانی ضرر پہنچائے گا اس نے فی الواقع اللہ کے ملک میں تصرف کیا۔

پس اس قانون کی رو سے بھی صحابہ سے جو اس موقع پر کوتاہی ہوئی تھی وہ حقوق العباد کی قسم سے نہ تھی بلکہ ایک حکم شرعی میں ان سے لغزش ہوئی تھی کہ جس کو رسول اللہ ﷺ کا حق نہیں کہہ سکتے بلکہ خاص حق اللہ کہیں گے۔ ہاں اس معنی میں حق الرسول بھی کہہ سکتے ہیں کہ احکامِ شرعیہ کی مخالفت کرنا آپ ﷺ کے بتلائے ہوئے اور امر کیے ہوئے احکام کی مخالفت ہے مگر اصطلاح شرع میں اس کو حقِ رسول نہیں کہا جاتا۔ اس کے احکام جداگانہ نہیں ہی وہی حقوق کے احکام ہیں۔

حاصل یہ ہے کہ حقوق الرسول کی دو قسمیں ہیں: ایک تو وہ حق جو خود ذاتِ رسول کی طرف راجع ہے جیسے کوئی رسول اللہ ﷺ کے مال کی چوری کر لے یا ان کو کوئی اذیت پہنچائے۔

دوسرے وہ کہ انہوں نے جو احکامِ الٰہی تعلیم فرمائے ہیں ان کی مخالفت کرے۔ قسم اخیر کو حق رسول کہنا مجازاً ہوگا اس لیے کہ وہ احکام خود رسول ﷺ کے بنائے ہوئے نہیں ہاں بتائے ہوئے ہیں۔ شارع تو درحقیقت اللہ تعالیٰ ہیں اور پہلی قسم حقیقتاً حق رسول ہے۔ پس صحابہ کی کوتاہی قسم ثانی سے ہے جو حقیقۃً اللہ تعالیٰ کے حق اور مجازاً رسول اللہ ﷺ کا حق ہے تو اس کوتاہی کو اللہ تعالیٰ خود معاف کر سکتے تھے چنانچہ کر بھی دیا۔ چنانچہ ارشاد ہے **ولقد عَفَااللّٰہُ عَنۡھُمۡ** (اور یقین سمجھو کہ اللہ تعالیٰ نے ان کو معاف فرمادیا) لیکن کیا انتہا ہے حضور ﷺ کی محبوبیت کی کہ آپ ﷺ سے فرمائش ہے کہ ہم نے تو معاف فرمادیا۔ آپ بھی معاف فرمادیں۔

فَاعۡفُ عَنۡھُمۡ فرمانے کی حکمت:

اگر کوئی کہے جب کہ وہ کوتاہی محض حق اللہ تھی اور اللہ تعالیٰ نے اس کو معاف بھی کر دیا تو پھر حضور ﷺ سے معاف کرانے کے کیا معنی اور وہ کونسی چیز باقی رہ گئی جس سے حضور ﷺ کی معافی متعلق ہوگی؟ بات یہ ہے کہ ایک تو توبہ ہے، دوسری تکمیل توبہ......حق تعالیٰ کے معاف فرمانے سے توبہ تو محقق ہوگئی لیکن تکمیل اس توبہ کی حضور ﷺ کے معاف کرنے سے ہوگی۔

تفصیل اس اجمال کی یہ ہے کہ اوّل یہ سمجھو کہ گناہ کے دو اثر ہیں۔ ایک آجل یعنی عذاب کا ہونا اور دوسرے عاجل یعنی گناہ سے قلب میں ایک ظلمت کا پیدا ہوجانا، جو سبب ہوتا ہے آئندہ دوسرے معاصی کے صدور کا اور (قبولیتِ توبہ کے بھی دو درجے ہیں ایک تو یہ کہ عذاب سے نجات ہوجائے۔ دوسرے کہ قلب میں ظلمت اور کدورت جو گناہ سے پیدا ہوئی تھی وہ نہ رہے)......اگرچہ حق تعالیٰ نے توبہ ان کی قبول فرمالی۔ چنانچہ ارشاد ہے۔ **ولقد عفا اللہ عنھم** لیکن صحابہ چونکہ جاں نثار تھے جناب رسول اللہ ﷺ کے، اس لیے ان کا دل ابھی اس لیے صاف نہیں ہوا تھا کہ حضور ﷺ ہم سے مکدر ہیں اور حضور ﷺ کا یہ تکدر بمقتضائے بشریت تھا اور اس کا ہونا خاصہ بشریت کا ہے اور یہ سراسر رحمت ہے......غرض حضور ﷺ کی بشریت وعبدیت کے آثار سے ہوا کہ حضور ﷺ کے قلب مبارک پر ان حضرات کی طرف سے ایک قسم کی طبعاً کدورت تھی اور حضور ﷺ کی کدورت سے حضرات (صحابہؓ) کے قلوب پر بھی تکدر کا اثر تھا اور ایسا تکدر اگرچہ حالاً مضر نہیں ہے لیکن احیاناً سبب بُعد کا ہوجاتا ہے، اس لیے کہ جب اس کا اثر زیادہ بڑھتا ہے تو قلب ضعیف ہوکر تعطل کی نوبت آجاتی ہے، شیطان کہتا ہے کہ: تیرا کوئی عمل قبول تو ہے نہیں پھر کیوں بے فائدہ مشقت اُٹھاتا ہے۔ اور راز اس کا یہ ہے کہ عمل کے اندر بشاشت قلب کو معین ہے اور تکدر کا خاصہ ہے کہ قلب میں بشاشت نہیں رہتی اور بشاشت ہی معین ومحرک تھی۔ جب وہ جاتی رہی تو نرا اعتقاد رہ گیا۔ اب عمل کے اندر اُس شخص کو بڑا بھاری مجاہدہ کرنا پڑتا ہے جس پر دوام دشوار ہے۔ پس اگر یہ کدورت بڑھی اور اس کو استقرار ہوگیا تو رفتہ رفتہ اعمال

چھوٹ جاتے ہیں اور جو ہمت کر کے اس حالت میں بھی عمل کرتے ہی رہے تو یا تو وہ بشاشت عود کر آتی ہے اور اگر اس نے عود نہ کیا تو یہ ہمت زیادہ نہیں چلتی اعمال رخصت ہو جاتے ہیں۔

غرض اس کدورت و انقباض کے ہوتے ہوئے دوام علی العمل سخت دشوار ہے...... بہر حال یا تو بسط ہو اور یا امید بسط کی ہو، تو عمل پر استقامت کر سکتا ہے اور اگر دونوں نہ ہو تو قلب ضعیف ہونا شروع ہوتا ہے اور رفتہ رفتہ عمل چھوٹ جاتا ہے...... اس لیے باری عزاسمہ چاہتے ہیں کہ ہمارے رسول کے صحابہ اس سے بھی پاک ہو جائیں اور یہ کیفیت ان میں نہ رہے، اس لیے ارشاد ہے کہ: آپ ﷺ بھی معاف فرما دیں۔ پس **فبما رحمة من الله لنت لهم** اس کی تمہید ہے، اور **فاعف عنهم** مقصود ہے۔ اور سبحان اللہ کیا رحمت ہے کہ اسی پر اقتضاء نہیں فرمایا۔ آگے اس کے **واستغفر لهم** بڑھایا، یعنی آپ ﷺ بھی معاف فرما دیجیے اور ہم سے بھی درخواست کیجیے کہ ہم معاف کر دیں۔

بظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ جب اللہ تعالیٰ نے پہلے ہی معاف فرما دیا تو **واستغفر لهم** اب تحصیل حاصل ہے؟ بات یہ ہے کہ وہ معافی تو قانونی ہے۔ اس کا اثر تو یہ ہے کہ عذاب سے نجات ہو جائے گی۔ اب دوسری قسم جو معافی کی ہے یعنی رفع کدورتِ (آنحضرت ﷺ) جس کا سبب **فاعف عنهم** ہوگا لیکن سبب کا وجود تو وجود مسبب کے لیے علت تامہ نہیں یعنی آپ ﷺ کے معاف کر دینے سے بدون حق تعالیٰ کی تصرف کی رفع کدورت ضروری نہیں کیونکہ وہ آپ ﷺ کے اختیار میں تو نہیں۔ اس لیے حق تعالیٰ نے **واستغفر لهم** کا امر فرمایا یعنی مغفرت کی قسم دوم کے وجود کی ہم سے درخواست کیجیے۔ [وعظ ''التوکل'']

اس سے پہلے **فبما رحمة من الله لنت لهم** اس کی تمہید ہے کیونکہ صحابہ کو اور تو کوئی غم نہ رہا تھا۔ سب سے حق تعالیٰ نے تشفی کر دی تھی۔ اب صرف ایک غم رہ گیا تھا کہ حضور ﷺ ناراض ہیں۔ اس لیے حق تعالیٰ آپ کو ارشاد فرماتے ہیں: **فاعف عنهم** ۔ مگر دیکھنا یہ ہے کہ اس مضمون کو کس طرح فرماتے ہیں یعنی فقط **فاعف عنهم** (آپ ان کو معاف کر دیجیے) نہیں فرمایا بلکہ اس کے پیشتر ایک تمہید بیان فرمائی جس سے آپ کی جلالتِ رحمت اور جلالتِ نبوت کی خاص شان معلوم ہوتی ہے کیونکہ بدون اس تمہید کے حضور ﷺ کا طبعی انقباض زائل ہونا دشوار تھا، اس لیے اوّل ارشاد فرمایا: فبما رحمة کہ آپ نے اپنے لین و شانِ رحمت کو دیکھیے پھر اس کے ساتھ من الله بڑھایا کہ یہ رحمت حق تعالیٰ نے آپ کے اندر رکھی ہے، جس سے معلوم ہوا کہ بہت بڑے درجہ کی رحمت ہے، پھر مصلحت اس رحمت کی بیان فرمائی ہے کہ آپ کو نرم اس واسطے بنایا کہ اگر آپؐ **فظ** ہوتے یعنی ظاہر میں سخت کلام ہوتے غلیظ القلب یعنی اگر آپؐ دل کے بھی سخت ہوتے تو نتیجہ یہ ہوتا **لا نفضوا من حولك** یعنی صحابہؓ آپؐ کے پاس سے چلے جاتے، ان ارشادات کے بعد کہ متضمن

ہیں خاص مراقبات کو، طبعی انقباض بھی نہیں رہ سکتا۔ پس صحابہؓ کا ہر قسم کا غم دور کر دیا گیا۔ [وعظ الرحمة:۴۳]

آیت کا مطلب یہ ہے کہ حق تعالیٰ حضور ﷺ کو صحابہؓ سے عفو اور اُن کے لیے استغفار کا اور اُن کی دل جوئی کا حکم فرماتے ہیں۔ پس اصل مقصود تو **فاعف عنهم و استغفر لهم و شاورهم** (سو آپ ان کو معاف کر دیجیے اور آپؐ ان کے لیے استغفار کر دیجیے اور ان سے خاص خاص باتوں سے مشورہ لیتے رہا کیجیے) ہے اور **فبما رحمة من الله لنت لهم** (بعد اس کے خدا ہی کی رحمت کے سبب آپ ﷺ ان کے ساتھ نرم رہے) اس کی تمہید ہے۔ خود مسوق لہ الکلام اور مقصود نہیں جس سے لین کی ترغیب پر استدلال کیا جا سکے۔ پس معنی یہ ہوئے کہ آپ ہمیشہ سے اُن کی مصلحت اضافہ کے لیے ان کے ساتھ نرمی فرماتے رہے جس کی ایک دلیل یہ بھی ہے کہ فظانت اور غلظت کے لوازم میں سے انفضاض ہے اور یہاں انفضاض نہیں ہوا۔ معلوم ہوا کہ آپؐ فظ اور غلیظ القلب نہیں۔ پس اس سے تاکید ہوئی آپؐ کی لین کی، آپؐ ہمیشہ سے ان کے ساتھ نرم رہے اُن کی عادت ہو گئی۔ اب بھی اس عادت کے موافق برتاؤ کیجیے اور معاف کر دیجیے تو یہاں تمہیداً لین کی خبر ہے۔ لین کا امر مقصود نہیں گو ضمناً وہ بھی مفہوم ہوتا ہے یہ ہے آیت کا مطلب۔ [ایضاً:۴۷]

حضور ﷺ کو صحابہؓ کے متعلق یہ امر کیا گیا ہے کہ ان کو آپؐ کے فیوض کی حاجت ہے جس کے لیے آپؐ کے انشراح کی ضرورت ہے اس لیے آپؐ ان کی خطاء معاف کر دیجیے اور اس لغزش کی وجہ سے جو درمیان میں انقباض اور عدم انشراح کا برتاؤ ہوا اس کو معاف کر دیجیے۔

سبحان اللہ! اس آیت سے رسول اللہ ﷺ کی جلالتِ شان کس درجہ ظاہر ہوتی ہے، حالانکہ صحابہؓ کا قصور خدا نے معاف کر دیا تھا اور جب خدا تعالیٰ نے معاف کر دیا تھا تو اس کے بعد حضور ﷺ معاف نہ فرماتے؟ ضرور معاف فرماتے۔ مگر پھر بھی حضور ﷺ کو ارشاد ہوتا ہے کہ آپ بھی ان کو معاف فرما دیں۔ مطلب اس کا یہ ہے کہ آپ ﷺ ان کو اپنے معاف کر دینے کی بھی اطلاع کر دیجیے تا کہ ان کی پوری تسلی ہو جائے، یہ مطلب نہیں کہ حق تعالیٰ کی معافی کے بعد بھی حضور ﷺ کے معاف نہ کرنے کا احتمال تھا، ہرگز نہیں۔ کیونکہ حضور ﷺ تو رضائے حق کے تابع تھے۔ جب آپؐ کو یہ معلوم ہو گیا کہ حق تعالیٰ ان سے راضی ہو گئے تو آپ ﷺ کیونکہ ناراض رہتے۔ جس سے محبوب راضی ہو جائے۔ اس سے محبّ کس طرح ناراض رہ سکتا ہے؟ کسی طرح نہیں اور حضور ﷺ کی شان تو بڑی ہے۔ عام اولیاء رضائے حق میں فنا ہوتے ہیں۔ جدھر حق تعالیٰ کی مرضی دیکھتے ہیں۔ اُدھر ہو جاتے ہیں۔ [ایضاً:۴۹]

بہر حال جب یہ برکت اتباع نبوی کی، کہ اس کی بدولت آدمی رضائے حق کی طرف خود بخود ہو جاتا ہے تو پھر بھلا حضور ﷺ تابع رضا کیوں نہ ہوتے۔ یعنی خدا نے جب **عفا الله عنهم** فرمایا تو حضور ﷺ صحابہ کی

خطاء کیوں معاف نہ فرماتے؟ بس تطییب قلب کے لیے صحابہ کو اس کی اطلاع کی ضرورت تھی کہ آپ ؐ نے بھی معاف کر دیا کیونکہ صحابہ ؓ کے اس طبعی رنج کے ازالہ کا طریقہ یہی تھا کہ حضور بھی زبان مبارک سے معاف فرما دیں۔ **لقد عفوت عنکم** کیونکہ عاشق کی بدون اس کے تسلی نہیں ہوتی۔ پس **فاعف عنھم** کی حکمت معلوم ہوگئی کہ صحابہ ؓ کی تسلی تھی۔ [ایضاً:۵۰]

وَاسۡتَغۡفِرۡ لَھُمۡ فرمانے کی حکمت:

اس کے بعد فرماتے ہیں **وَاسۡتَغۡفِرۡ لَھُمۡ** کہ آپ ان کے واسطے استغفار کیجیے۔

اوّل نکتہ: اس میں اوّل تو حضور ﷺ کی جلالت شان کا اظہار ہے کہ مسلمانوں کو متنبہ کر دیا گیا کہ تمہاری معافی کی تکمیل حضور ﷺ کے استغفار کے بعد ہوگی۔

دوسرا نکتہ: دوسرے صحابہ کی تطییبِ قلب ہے، کیونکہ وہ اکثر خطاؤں کے لیے حضور ﷺ سے استغفار کی درخواست کیا کرتے تھے اور اس واقعہ میں خطا ایسی ہوئی تھی جس سے حضور ﷺ ہی کو ملال پہنچا۔ اس لیے اس واقعہ میں وہ خود استغفار کی استدعا کرتے ہوئے شرماتے تھے، مگر طبعاً ان کو یہ ضرور خیال ہوتا کہ اگر حضور ﷺ نے ہمارے لیے استغفار نہ کیا تو اس درجہ کی معافی نہ ہوگی جو حضور ﷺ کے استغفار کے بعد ہوتی، کیونکہ قاعدہ ہے کہ کریم کے بیٹے کی سفارش پر کچھ زائد ہی مل جاتا ہے اور حق تعالیٰ تو اولاد سے پاک ہیں مگر حضور ﷺ سے حق تعالیٰ کو ایسی محبت ہے کہ کسی باپ کو اولاد سے بھی نہیں ہوسکتی، اس لیے آپ ؐ کی سفارش کے بعد مغفرت کاملہ کی یقینی امید ہے۔

تیسرا نکتہ: تیسرا نکتہ **وَاسۡتَغۡفِرۡ لَھُمۡ** میں یہ ہے کہ حضور ﷺ کی معافی سے صحابہ کو یہ تو معلوم ہوگیا کہ آپ ؐ نے خطاء معاف کر دی مگر اس سے وہ اجنبیت کیسے دُور ہوگئی جو خطاء سے پیدا ہوگئی تھی، اس کے لیے تو خصوصیت کی ضرورت ہے ورنہ معافی کی تو ایک یہ بھی صورت ہے کہ کوئی شخص اپنی بیوی کو طلاق دے کر کہہ دے کہ ہم نے سب خطائیں معاف کیں، کیا اس سے معافی سے تعلقات شگفتہ ہوگئے؟ ہرگز نہیں، حق تعالیٰ نے **فاعف عنھم** کے بعد **وَاسۡتَغۡفِرۡ لَھُمۡ** بڑھا کر یہ بتلایا کہ صرف عفو خطا کافی نہیں بلکہ اس کی بھی ضرورت ہے کہ آپ ﷺ صحابہ ؓ سے خصوصیت کا برتاؤ کریں کہ پہلے کی طرح اس واقعہ میں بھی ہم سے ان کی مغفرت کی درخواست کریں۔

چوتھا نکتہ: نیز ایک نکتہ یہ بھی ہے کہ اوپر جیسا دوسرے نکتہ میں بیان ہوا ہے کہ اس واقعہ میں صحابہ ؓ یہ خود کیسے کہتے کہ ہمارے واسطے استغفار کر دیجیے۔ وہ یہ سمجھے ہوئے تھے کہ حضور ﷺ ہی خود ہم سے خفا ہیں۔ پس جب وہ یہ عرض نہ کر سکے تو خدا تعالیٰ نے ان کا کام کر دیا۔ حاصل اس نکتہ کا صحابہ کی شان تفویض کا اور اس کی

برکات کا اظہار ہے، جیسا کہ بچہ کے سب کام کردیے جاتے ہیں کیونکہ وہ خود نہیں کرسکتا

طفل تا گیرا و تا پو یا بنود مرکش جز گردن بابا بنود او

وَشَاوِرْهُمْ فِي الْأَمْرِ فرمانے کی حکمت:

(جب اللہ تعالیٰ نے معاف فرما دیا یا جو قانونی معافی تھی جس کی وجہ سے آخرت کے مواخذہ سے نجات ہوگئی اور دفع کدورت آنحضرت ﷺ کے لیے۔[مرتب]) حق تعالیٰ نے واستغفر لھم کا امر فرمایا یعنی مغفرت کی قسم دوم کے وجود کی ہم سے درخواست کیجیے اور یہاں تک دونوں قسمیں محقق ہوگئیں۔لیکن اس کا اثر صرف یہ ہوا کہ حالتِ اصلی انشراح کی لَوٹ آئی، مگر یہاں اور چیز کی بھی ضرورت ہے، وہ کیا؟ یعنی اس انشراح کی ترقی، کیونکہ اعمال میں آئندہ کو ترقی موقوف ہے زیادہ انشراح پر۔پس رحمت پر رحمت اور نعمت پر نعمت حق تعالیٰ کی دیکھیے کہ آگے اس کی تدبیر بھی ارشاد فرماتے ہیں تا کہ ہماری یہ مقبول جماعت کسی پہلو سے ناقص نہ رہے۔چنانچہ فرماتے ہیں:وشاورھم فی الامر یعنی ''ان سے کام میں مشورہ بھی کیجیے'' کہ ان کا انشراح ترقی پذیر ہوکر وسیلہ ترقی مراتب کا ہوگا۔اس لیے کہ مشورہ کے اندر جو مصلحتیں خاص نفسِ مشورہ کے اعتبار سے ہیں ان کے علاوہ ایک اور عجیب خاصہ ہے، وہ یہ کہ:اوّل یہ سمجھنا چاہیے کہ یہ دیکھیے کہ مشورہ کس سے لیا کرتے ہیں؟ مشورہ اس شخص سے لیا کرتے ہیں کہ جس میں دو وصف پائے جائیں۔اوّل تو اس پر پورا وثوق اور نہایت اطمینان اور اعتماد ہو اور اس کو اپنا خیر خواہ اور اس سے خصوصیت سمجھی جاوے۔دوسرے جس امر میں مشورہ کیا جاوے اس کے اندر وہ صاحبِ بصیرت ہو۔اسی واسطے بعض مرتبہ بھائی سے مشورہ نہیں کرتے بلکہ دوست سے کرتے ہیں۔غرض مشورہ ہر شخص سے نہیں لیا جاتا۔پس جس شخص سے مشورہ لیا جاوے گا تو اس کو پہلے سے اور زیادہ تعلق بڑھ جاوے گا۔اس لیے کہ وہ اس سے استدلال کرے گا کہ ہماری بات پر اس کو پورا اطمینان ہے، ہماری دیانت پر اس کو اعتماد ہے اور ہم کو اس قابل سمجھتا ہے کہ ہم سے امر خاص میں مشورہ لیا جاوے۔اس سے دل بڑھ جاوے گا اور دل کے بڑھ جانے کو بڑا دخل ہے اعمالِ صالحہ کی ترقی میں، پس یہ راز ہے اس کا کہ حضور ﷺ کو امر فرمایا کہ ان سے مشورہ لیجیے تا کہ وہ انشراح ان کا اور زیادہ بڑا ہوکر سبب ہو جاوے اعمالِ صالح کے اندر ترقی کا، جو سبب ہے قُرب کا۔یہاں سے یہ بھی معلوم ہوا کہ شیخ کامل مربّی وہ ہے جو طالب کے دل کو بڑھاتا ہے اور دل جوئی اور تسلی کرتا ہے۔[وعظ التوکل:۱۷]

تسلی شیخ کا بڑا دخل ہوتا ہے ترقی باطن میں۔اور دلجوئی وتسلی کے لیے کسی شاگرد یا مرید کی اگر دعوت کردو یا کوئی شے دے دو، مگر کسی شے سے وہ اس قدر استدلال عنایت ومہربانی پر نہیں کرسکتا جس قدر کہ اس سے کر سکتا ہے کہ اس کو بلا کر یہ کہہ دو کہ:ہم کو تم سے ایک صلاح کرنا ہے۔سُنتے ہی اس کا دل ہاتھوں ہاتھ بڑھ جائے

گا کہ ہم کو انہوں نے اپنا مخصوص سمجھا ہے اور ہم تو آج سے وزیر بن گئے ہیں۔ میرے نزدیک تو کوئی شی تسلی کے اندر اس قدر دخیل نہیں جس قدر صلاح (مشورہ) لینا ہے۔ جس کی دل جوئی کرنا ہو سیدھی بات ہے کہ بلا کر یہ کہہ دو کہ ہم کو تم سے کچھ صلاح کرنا ہے۔ فوراً اس کو خیال ہوگا کہ یہ ہم سے بہت خوش ہیں ورنہ اگر ناراض ہوتے تو مشورہ کیوں لیتے ؟ اس لیے ارشاد ہوا کہ: وشاورھم فی الامر (یعنی ان سے کام میں مشورہ کیجیے [ایضاً:۲۱] تاکہ ان (صحابہؓ) کو بھی اطمینان ہو جائے کہ آپ ﷺ نے ان کی طرف سے دل صاف کرلیا ہے۔ اس میں محض حضور ﷺ کی عنایات کو صحابہؓ کے حال پر بڑھانا مقصود ہے۔ [وعظ السبر بالصبر:۹]

ہر پہلو سے صحابہ کی دلجوئی و تسلی:

کیا ٹھکانہ ہے رحمتِ خداوندی کا کہ اپنے بندوں (یعنی صحابہ کرام کو کسی درجہ میں غمگین نہیں رکھتے بلکہ ہر پہلو سے ان کے رنج کو دُور کرنے کی تدابیر فرماتے ہیں۔ بھلا کہاں خدا اور کہاں بندہ اور پھر یہ توجہ! بس اس حقیقت کو یا تو اس طرح تعبیر کیجیے کہ "خدا کو کیا ضرورت تھی؟" محض فضل ورحمت ہے۔ یا اس طرح کہیے کہ خدا ہی کی شان ہے کہ بلاغرض اتنی توجہ فرماتے ہیں۔ غرض جس طرح چاہے تعبیر کیا جاوے۔ ہر حال میں اس سے غایت درجہ کی توجہ معلوم ہوتی ہے اور یہ محض رحمت ہے، ورنہ خدا کی شان تو اتنی برتر ہے کہ اگر وہ بندہ کی طرف مطلق التفات نہ فرماتے تو ان کو اس کا حق تھا اگر بندہ برسوں بھی پکارتا تو وہاں شنوائی نہ ہوتی۔ [وعظ الرحمۃ:۳۵]

بہرحال حق تعالیٰ نے صحابہ کے غم کو جس طرح ہلکا کیا ہے، اس کی وہ حالت ہے جیسے بلاتشبیہ ماں باپ بچہ کے ساتھ کرتے ہیں کہ بچہ کو حد سے زیادہ رنج دینا نہیں چاہتے۔ کبھی سزا دے کر جب یہ سمجھتے ہیں کہ اس کو زیادہ تکلیف ہوئی یا بہت رنج ہوا تو گلے لگا لیتے ہیں۔ یہی معاملہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا، جس کی شان یہ ہے کہ

درد از یار ست در مان نیز ہم　　　　دل فدائے او شد و جان نیز ہم

[وعظ السبر بالصبر:۱۰]

وفیات ......معروف جہادی راہنما مولانا کمانڈر عبدالجبار شہید رحمہ اللہ......مولانا آفتاب اسلم کے والد محترم ماسٹر محمد اسلم رحمہ اللہ [چنی گوٹھ، ضلع رحیم یار خان]......مولانا شفیق جلال پوری [معاون مدیر، ماہنامہ بینات] کے والد گرامی رحمہ اللہ [کراچی]......مولانا اسعد خلیل کی والدہ مکرمہ رحمہ اللہ [جلال پور پیر والہ، ملتان]......مولانا احسان الحق چاریاری [نواب شاہ] کے ماموں محترم رحمۃ اللہ علیہ......جناب محمد یاسین رحمہ اللہ کراچی......نور احمد دَل کی بھانجی رحمہا اللہ [ٹنڈو حافظ شاہ، سندھ]......حکیم الطاف حسین لاہوتی، چکوال......جامعہ مظہریہ حسینیہ کے نوعمر طالب علم حافظ قربان رحمہ اللہ

قارئین سے مرحومین کے لیے مغفرت اور پس ماندگان کے لیے صبر جمیل کی دعا کی درخواست ہے۔

مرتب: مولانا مفتی شعیب احمد

المجالس الحسنہ

مجالس: مولانا مفتی محمد حسن مدظلہم [خلیفہ مجاز: حضرت امام اہل سنت رحمہ اللہ]

مجلس......۳۰/ستمبر ۲۰۱۳ء_۲۳/ذیقعدہ ۱۴۳۴ھ، بروز سوموار

حضرت والا کی خدمت میں صبح حاضری ہوئی۔ بخاری شریف کی جلد اول ''باب الشعر فی المسجد '' سے عبارت شروع ہوئی۔ چلتے چلتے ''باب الخوخة و الممر فی المسجد '' کا باب آیا، اس میں حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے بارے میں آپ ﷺ کا ارشاد تھا: ''لو کنت متخذاً خلیلاً لاتخذت ابا بکر خلیلاً۔''

دل اللہ کے علاوہ کسی اور کو نہیں دینا:

حضرت نے حسب عادت استفسار فرمایا۔ خلیل کا کیا مطلب ہے؟ ایک ساتھی نے عرض کیا ''دلی دوست''۔ حضرت نے تصویب فرمائی۔ اور فرمانے لگے: ہاں! دلی دوستی تو اللہ کے ساتھ ہے، اِس لیے فرمایا: ''لو کنت.... '' باقی یہ بھی سب اسی محبت کے کرشمے ہیں۔

ایک بھائی کہنے لگے: ''یہ دل اللہ نے اپنے لیے دیا ہے کسی اور کو نہیں دینا ورنہ پریشان رہے گا۔''

مولانا بدر عالم میرٹھی رحمہ اللہ اور بارگاہ نبوت کا ادب:

پھر مسجد نبوی میں رفع صوت پر حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا ارشاد آیا کہ دو شخصوں کو جو کہ اونچی آواز میں باتیں کر رہے تھے حضرت نے فرمایا تھا: ''لو کنتما من البلد لأوجعتكما. '' اگر تم مسافر نہ ہوتے تو میں تمہاری خبر لیتا۔ ایک ساتھی نے عرض کیا: حضرت! کیا اِس سے حیات النبی پر استدلال ہوسکتا ہے؟ حضرت نے تصدیق فرمائی اور پھر فرمایا: ہمارے استاد حضرت مولانا عبد القادر صاحب دامت برکاتہم مدینہ منورہ والے فرماتے ہیں: حضرت مولانا بدر عالم میرٹھی [صاحب ترجمان السنۃ، مرتبِ فیض الباری رحمہ اللہ] فرماتے تھے: ہم نے خود اپنی [باطنی] آنکھوں سے دیکھا ہے کہ جناب سرکار دو عالم ﷺ آنے والے بعض مہمانوں کی خود میزبانی فرماتے ہیں۔ پھر فرمایا: اگر یقین نہ ہو تو قسم اٹھاؤں؟ پھر قسم اٹھا کر یہ بات فرمائی۔ اور حضرت مولانا بدر عالم صاحب رحمہ اللہ کے صدق اور احتیاط کا یہ عالم تھا کہ ایک صاحب کو خط لکھا کہ فلاں کی وفات پر بہت صدمہ ہوا، پھر تامل کیا اور سوچا کہ واقعتاً صرف صدمہ ہوا، یا ''بہت'' صدمہ ہوا؟ پھر بہت کا لفظ کاٹ دیا۔

پھر فرمایا: حضرت مولانا بدر عالم میرٹھی صاحب رحمہ اللہ ایک دفعہ مسجد نبوی شریف میں اعتکاف میں

بیٹھے تھے اور سارا اعتکاف بس اکڑوں حالت میں بیٹھے رہے، لیٹ کر سوئے بھی نہیں۔

ناقدری محرومی کا باعث ہوجاتی ہے:

دورانِ درس درج ذیل حدیث مبارکہ آئی:

عن أبي واقد الليثي أن رسول الله صلى الله عليه وسلم بينما هو جالس في المسجد والناس معه إذ أقبل ثلاثة نفر فأقبل اثنان إلى رسول الله صلى الله عليه وسلم وذهب واحد قال فوقفا على رسول الله صلى الله عليه وسلم فأما أحدهما فرأى فرجة في الحلقة فجلس فيها وأما الآخر فجلس خلفهم وأما الثالث فأدبر ذاهبا فلما فرغ رسول الله صلى الله عليه وسلم قال ألا أخبركم عن النفر الثلاثة أما أحدهم فأوى إلى الله فآواه الله وأما الآخر فاستحيا فاستحيا الله منه وأما الآخر فأعرض فأعرض الله عنه.

ترجمہ: حضور اقدس ﷺ مسجد میں لوگوں کے ہمراہ تشریف فرما تھے کہ تین آدمی آئے ان میں سے دو تو حضور ﷺ کی طرف متوجہ ہوگئے اور تیسرا چلا گیا یہ دونوں مجلس کے قریب پہنچ کر کھڑے ہوگئے ان میں سے ایک نے مجلس میں جگہ دیکھی اور مجلس میں شریک ہوکر بیٹھ گیا جبکہ دوسرا مجلس سے الگ پیچھے بیٹھا رہا، اور تیسرا اُلٹے پاؤں لوٹ گیا۔

جب حضور ﷺ مجلس سے فارغ ہوئے تو فرمایا: کیا میں تمہیں ان تین لوگوں کی بات نہ بتاؤں! پھر فرمایا: ان میں سے ایک نے اللہ کے ہاں (یعنی نیک مجلس میں) جگہ بنائی تو اللہ نے اس کو جگہ دے دی، اور دوسرے نے ہچکچاہٹ اور جھجھک سے کام لیا (اور مجلس کے پیچھے بیٹھا رہا) تو اس کے ساتھ بھی اللہ تعالیٰ کی جانب سے اسی طرح کا معاملہ ہوا۔اور رہا تیسرا، تو اس نے روگردانی کی تو اس سے اللہ نے بھی اعراض کیا۔

حضرت نے حدیث مبارکہ کے ترجمے کے بعد فرمایا: نیک مجالس کی قدر کرنی چاہیے، لاپرواہی نہیں ہونی چاہیے۔ یہ لاپرواہی بڑی خطرناک چیز ہے۔ اللہ کے حبیب ﷺ کی مجلس سے بڑھ کر کون سی مجلس ہوگی؟ یہ ساری مجالس وہیں کا فیض ہے، جتنے اولیاء اللہ بھی ہیں سب پر گنبد خضری کا سایہ ہے۔

پھر فرمایا: بات طلب کی ہے، طلب پر اللہ تعالیٰ سب بہاریں نصیب فرماتے ہیں بعض دفعہ بزرگوں کی نیک مجالس میں ایسا جملہ مل جاتا ہے جو کتابوں کے ہزاروں ورق کھولنے سے نہیں ملتا۔

بخاری شریف کی نورانیت:

دورانِ گفتگو حضرت نے فرمایا:

بخاری شریف کی عجیب نورانیت ہے، پڑھنے سے پتہ چلتا ہے۔ قدم قدم پر [علم ومعرفت کے] باب ہیں۔

بڑوں کے سارے انداز ایک دم سے نہیں اپنائے جاسکتے:

باب آیا ”انتظار الصلاۃ فی حکم الصلاۃ“۔ فرمایا:

پہلے گھڑیاں وغیرہ بھی کم تھیں، تو ہمارے گاؤں کے حافظ صاحب تھے ان کے ہوتے ہوئے نماز کا کوئی وقت مقرر نہیں تھا بس جب حافظ صاحب آ گئے وہی نماز کا وقت تھا۔ اب انتظامی مصلحت کے تحت چلو وقت مقرر کر لیا گیا ہے، ورنہ شریعت کی طرف سے کوئی لازم نہیں ہے۔ ہمارے استاذ مولانا عبدالشکور صاحب تھے، نماز کا وقت اگرچہ مقرر تھا لیکن وہ پھر بھی کبھی کبھار دو چار منٹ قصداً لیٹ ہو جاتے تھے کہ ہم اس کے پابند نہیں ہیں۔

یہ بڑے لوگ تھے ان کی بات اور تھی، لوگ ان کی نرم گرم برداشت بھی کر لیتے تھے، لیکن آج کل ایسا کرنا ہو سکتا ہے کہ مفید نہ ہو۔ بڑوں کے سب انداز ایک دم سے نہیں اپنائے جا سکتے۔ اس کے لیے ایک وقت لگتا ہے۔ بڑے بات کریں تو سر جھک جاتے ہیں اور چھوٹے وہی بات کریں تو لڑائیاں پڑ جاتی ہیں۔

خواب کی تین اقسام:

”کتاب الایمان“ کی عبارت کے بعد ”باب بدء الوحی“ سے تلاوت شروع ہوئی۔

”رویاء“ کے لفظ پر حضرت نے مشکوٰۃ شریف یہ کہتے ہوئے منگوائی کہ جیسے قرآن کے بارے میں ہے ”القرآن یفسر بعضہ بعضاً“ ایسے ہی حدیث شریف کے بارے میں بھی ہے ”الحدیث یفسر بعضہ بعضاً“، لائیں میرے عزیز مشکوٰۃ اس میں سے ”کتاب الرؤیا، ص: ۳۹۷“ پر ہے۔

پھر مشکوٰۃ شریف میں سے پڑھ کر سنایا کہ خواب تین قسم کے ہوتے ہیں:

(۱) حدیث النفس، (۲) مبشرات اور (۳) تخویف الشیطان۔[1] خواب جیسا بھی ہو اس کے بعد یہ دعا ضرور مانگ لیا کریں کہ اے اللہ! اس میں جو خیر ہے وہ نصیب فرما اور جو شر ہے اس سے پناہ نصیب فرما۔

چوبرجی کی تدریس:

یہیں سے بات چلی۔ حضرت نے گھڑی کو دیکھتے ہوئے [جس پر سوا آٹھ بج رہے تھے) فرمایا: بس باتوں میں باتیں آ جاتی ہیں۔ [ای الحدیث بالحدیث یذکر]

میں نے کافی سارا زمانہ چوبرجی میں پڑھا تھا اور تکمیل حضرت قاضی حمید اللہ خان صاحب رحمہ اللہ کے پاس گوجرانوالہ میں کی تھی اور وہاں یہ ”حمد اللہ“ اور ”صدرا“ وغیرہ ساری کتابیں پڑھی تھیں۔ جب فارغ ہونے کا وقت آیا تو چوبرجی والے استاذ صاحب [مراد حضرت قاضی عزیز اللہ صاحب خلیفہ مجاز پیر خورشید شاہ

---

[1] حدیث النفس کا تو کوئی اعتبار نہیں ہوتا کیونکہ یہ نفس کی اپنی باتیں اور خیالات ہوتے ہیں جو خواب کا روپ دھار لیتے ہیں، اور مبشرات نیک آدمی کے لیے اطمینان، اور نیکی میں کوتاہی کرنے والے کو نیکی کی طرف متوجہ اور راغب کرنے کے لیے ہوتے ہیں۔ جبکہ تخویف الشیطان شیطان کی طرف سے انسان کو پریشان کرنے کے لیے ہوتے ہیں۔ از مرتب

صاحب] کی خواہش یہ تھی کہ یہاں آجاؤں اور حضرت قاضی صاحب کی خواہش تھی کہ وہاں جاؤں۔ میں نے استخارہ کیا اور پانچ دن تک کرتا رہا کچھ نظر نہیں آیا پھر ایک دن دیکھا کہ مظاہر العلوم کے دروازے پر کھڑا ہوں تو دل میں خیال آیا کہ یہی ٹھیک ہے۔ چنانچہ دو سال وہاں کام کیا۔ ایک سال بعد والد صاحب کا بھی انتقال ہو گیا اور مدرسے میں کچھ انتظامی حالات بھی ایسے پیدا ہو گئے، ایسے انتظامی معاملات پیش آ ہی جاتے ہیں۔ پھر استخارہ کیا، اب کیا کروں؟ پانچ دن استخارہ کیا، چھٹے دن دیکھا تو حضرت قاضی صاحب کھڑے تھے اور چوبرجی والے استاذ بیٹھے تھے، چوبرجی والے استاذ فرماتے تھے ایتھے (یعنی ادھر) اور قاضی صاحب فرمانے لگے نہیں بالکل نہیں جانا۔ چنانچہ تعارض ہو گیا تو پھر پریشان ہو گیا پھر دعا مانگی۔ ساتویں دن خواب میں دیکھا کہ اس طرح کی جگہ یہ مدرسے کی بالکل جو عمارت اَب ہے بعینہ یہ عمارت میں نے اس وقت خواب میں دیکھی۔ ایک کمرے میں داخل ہوا تو سناٹا ہے، دوسرے میں داخل ہوا تو بھی سناٹا ہے۔ اٹھا تو دل میں لاہور کا رجحان پیدا ہو گیا، چنانچہ گوجرانوالہ سے واپس آیا۔ رمضان میں گلگت کے دو طلبہ میرے پاس ''اصول الشاشی'' پڑھ رہے تھے، اتنے میں ان کی بھی کتاب مکمل ہو گئی۔

گھر آیا، یہاں چوبرجی میں آیا تو حاجی داؤد صاحب سے ملاقات ہوئی، ان سے کہا استاذ صاحب کی زیارت کرنے آیا ہوں۔ حاجی صاحب فرمانے لگے: استاذ صاحب کا تو پرسوں انتقال ہو گیا ہے اس سے اندازہ ہوا کہ کمروں میں جو سناٹا دیکھا تھا وہ شاید حضرت کے انتقال کی طرف اشارہ تھا۔ بس پھر تب سے یہیں یہ سلسلہ شروع ہو گیا۔ شروع میں حالات بھی آئے لیکن پھر اللہ تعالیٰ نے کرم فرمایا رفتہ رفتہ سب حالات ختم ہو گئے۔

مولوی برکتی:

فرمایا: ہمارے استاد حضرت مولانا شیخ موسیٰ روحانی بازی صاحب رحمہ اللہ طلبہ کے لیے گرمیوں میں پانی ٹھنڈا کرنے کے لیے برف کے پیسے دیتے تھے، اسی دوران عید آ گئی عید کے بعد واپس آئے تو پوچھا پیسے ہیں؟ عرض کیا: جی موجود ہیں۔ تو فرمانے لگے تم مولوی برکتی ہو۔

مدرسے کے پیسے سے بھان بھی نہیں لیتا:

اللہ تعالیٰ مہربانی فرمائے، اللہ اپنی بارگاہ میں قبول فرمائے، اللہ تعالیٰ اوپر کا معاملہ درست کرائے، اب میری دو جیبیں ہیں۔ ایک جنت کی جیب ہے اور دوسری جہنم کا دروازہ ہے [یعنی ایک ذاتی رقم دوسرے میں مدرسے کی رقم ہے]۔ اس جیب سے بھان [ریزگاری] بھی نہیں لیتا کہیں دروازہ نہ کھل جائے۔ اگرچہ گنجائش تو ہے لیکن احتیاط اچھی چیز ہے۔

☆......☆......☆......☆

مولانا مفتی عبید الرحمٰن، مردان

تحریف کا مفہوم، اقسام اور روک تھام

قرآن مجید سراپا رُشد وہدایت اور سرچشمہ شریعت واحکام ہے، اس کا کسی چیز کی تعریف وتوصیف کرنا یا اِس میں کسی چیز کی مذمت وتردید کا ہونا بھی بہت سے احکام شرعیہ کے لیے اصلِ اصیل ہے، جس کے ساتھ بہت سے شرعی احکام وابستہ ہیں، اِن جیسے احکام میں سے ایک ضروری اور اہم مسئلہ "تحریف" کا بھی ہے، قرآن کریم میں جا بجا قوم یہود کی جن برائیوں اور کارستانیوں کی مذمت کی گئی ہے ان میں سے ایک اہم اور بنیادی نوعیت کی خرابی تحریف ہے جس کی متعدد آیات میں مکرر مذمت کی گئی ہے، چنانچہ ایک جگہ ارشاد خداوندی ہے: فَوَيۡلٌ لِلَّذِينَ يَكۡتُبُونَ الۡكِتَابَ بِأَيۡدِيهِمۡ ثُمَّ يَقُولُونَ هَذَا مِنۡ عِنۡدِ اللَّهِ لِيَشۡتَرُوا بِهِ ثَمَنًا قَلِيلًا فَوَيۡلٌ لَهُمۡ مِمَّا كَتَبَتۡ أَيۡدِيهِمۡ وَوَيۡلٌ لَهُمۡ مِمَّا يَكۡسِبُونَ. [البقرة: ۷۹] لہٰذا تباہی ہے اُن لوگوں کی جو اپنے ہاتھوں سے کتاب لکھتے ہیں، پھر (لوگوں سے) کہتے ہیں کہ: یہ اللہ کی طرف سے ہے، تاکہ اس کے ذریعے تھوڑی سی آمدنی کمالیں۔ پس تباہی ہے ان لوگوں پر اس تحریر کی وجہ سے بھی جو ان کے ہاتھوں نے لکھی، اور تباہی ہے ان پر اس آمدنی کی وجہ سے بھی جو وہ کماتے ہیں۔

سورۃ المائدہ میں ایک جگہ ارشاد فرمایا گیا ہے: فَبِمَا نَقۡضِهِمۡ مِيثَاقَهُمۡ لَعَنَّاهُمۡ وَجَعَلۡنَا قُلُوبَهُمۡ قَاسِيَةً يُحَرِّفُونَ الۡكَلِمَ عَنۡ مَوَاضِعِهِ وَنَسُوا حَظًّا مِمَّا ذُكِّرُوا بِهِ. [المائدة: ۱۳] پھر یہ ان کی عہد شکنی ہی تو تھی جس کی وجہ سے ہم نے ان کو اپنی رحمت سے دُور کیا، اور ان کے دلوں کو سخت بنادیا۔ وہ باتوں کو اپنے موقع محل سے ہٹادیتے ہیں۔ اور جس بات کی ان کو نصیحت کی گئی تھی اس کا ایک بڑا حصہ بھلا چکے ہیں۔

سورۃ حم سجدہ میں اس جیسے کرتوتوں کی بڑی سخت سزا سنائی گئی کہ: إِنَّ الَّذِينَ يُلۡحِدُونَ فِي آيَاتِنَا لَا يَخۡفَوۡنَ عَلَيۡنَا أَفَمَنۡ يُلۡقَى فِي النَّارِ خَيۡرٌ أَمۡ مَنۡ يَأۡتِي آمِنًا يَوۡمَ الۡقِيَامَةِ. [فصلت: ۴۰] جو لوگ ہماری آیتوں کے بارے میں ٹیڑھا راستہ اختیار کرتے ہیں وہ ہم سے چھپ نہیں سکتے۔ بھلا بتاؤ کہ جس شخص کو آگ میں ڈال دیا جائے، وہ بہتر ہے، یا وہ شخص جو قیامت کے دن بے خوف وخطر آئے گا۔

اللہ تعالیٰ کی آیات میں اِلحاد کی کیا صورت تھی؟ اس کے متعلق حضرات مفسرین کی آراء مختلف ہیں، امام طبری رحمہ اللہ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے اس کی ایک تفسیر یہ بھی نقل کی ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کے کلام کو بے موقع منطبق کرتے ہیں، اس کے بعد امام طبری نے بڑی مناسب بات بیان فرمائی ہے کہ یہاں

اِلحاد کی کوئی خاص شکل مراد نہیں بلکہ آیات کا انکار، استہزا، اس میں رکاوٹ بننا اور اس میں تحریف کے درپے ہونا، یہ سب صورتیں الحاد کے تحت داخل ہیں جو اس وقت کفار کے درمیان رائج تھیں۔ [الطبری: ۴۷۸/۲۱]

ان آیات کریمہ سے تحریف کی مذمت اور اس کی سخت وعید واضح ہو جاتی ہے، عقلاً بھی اس کی قباحت وشناعت کچھ کم نہیں ہے، کیونکہ تحریف کسی بھی قانون وآئین یا دین ومذہب کو ڈھانے اور ملیا میٹ کرنے کا راستہ ہے، اگر کسی دین ومذہب یا دستور وقانون کی حد تک اس کی اجازت دی جائے یا اس کے ارتکاب کرنیوالوں کے ساتھ نرم رویہ برتا جائے، تو اس کا واضح مطلب اور منطقی انجام یہی ظاہر ہوگا کہ وہ دستور ومذہب خواہ کتنا ہی مقدس اور مبنی برحق کیوں نہ ہو، لیکن کچھ ہی عرصہ میں بازیچہ اطفال بن کر اپنی اصل شکل اور حقیقی حلیہ کھو دیگا اور کوئی ایسی رنگارنگ صورت اختیار کرے گا جس کے بعد اس کو بطور قانون ومذہب کے برقرار رکھنے کا کوئی جواز باقی نہ رہے گا۔

یہودیت ونصرانیت کی طویل تاریخ یہی سبق دیتی ہے کہ وقتی مصلحت یا ضرورت کے خیال سے جب ایک مرتبہ یہ دروازہ کھلا تو آج تک بند نہیں ہو سکا اور آئندہ اس میں نت نئے تغیرات وتبدیلیاں پیدا ہوتی گئیں جس کا نتیجہ یہ ظاہر ہوا کہ آج موجودہ انجیل میں صفحات کے صفحات ایسے ہیں کہ کوئی شریف الطبع اور فطرت سلیمہ والا انسان اس کو کتابِ الٰہی یا مذہب ودین تو کجا، لوگوں کے مجمع میں روانی کے ساتھ پڑھنا بھی گوارا نہیں کر سکتا۔

تحریف کی شناعت اور قباحت کا ایک دوسرا پہلو یہ بھی ہے کہ اس میں صرف دین شکنی یا قانون شکنی ہی نہیں ہوتی بلکہ بسا اوقات اس کے ساتھ ضد وعناد، اور نفرت وہٹ دھرمی کا سا معاملہ برتا جاتا ہے، ایک شخص اپنی کم ہمتی اور کم ظرفی کی وجہ سے شرعی حد قائم کرنے پر آمادہ نہیں ہوتا اور اس سے بچنے کی کوشش کرتا ہے اور دوسرا شخص حد قائم کرنے پر آمادگی تو کیا دکھائے، خود اس حکم کو قرآن وحدیث سے ختم کرنے یا اس کی جگہ کوئی اور سزا تجویز کرنے پر تُلا ہوا ہے تو یہ دوسرا شخص پہلے کے مقابلہ میں دوہرا مجرم ہے اور (اللہ تعالیٰ حفاظت وعافیت نصیب فرمائے) ایسے اقدامات کے مختلف مراحل میں کفر وارتداد تک نوبت پہنچ ہی جاتی ہے۔

تحریف کی قسمیں:

پھر تحریف کی دو قسمیں ہیں: ایک لفظی جس کا تعلق نص کے الفاظ کے ساتھ ہوتا ہے، دوسری قسم معنوی ہے جس میں الفاظ کو اپنی جگہ برقرار رکھ کر اس کے مسلّمہ معنیٰ ومفہوم کو اپنی پسند کے مطابق کشید کر لیا جاتا ہے، یہ دونوں قسمیں قومِ یہود کے درمیان رائج تھیں اور دونوں ہی قسمیں شرعاً ناجائز اور حرام ہیں۔

امام جصاص رازی رحمہ اللہ آیت کریمہ "یحرّفون الکلم عن مواضعه" کی تفسیر میں تحریر فرماتے

ہیں کہ یہودیوں کی تحریف کی دوصورتیں تھیں: ایک قسم تحریف غلط مطلب وتفسیر بیان کرنے کی صورت میں تھی اوردوسری تحریف الفاظ میں تبدیلی کرنے کی تھی۔[احکام القرآن للجصاص:۴/۴۱]

علامہ آلوسی رحمہ اللہ یہودیوں کی تحریف کے متعلق فرماتے ہیں کہ:

”وتحريف ذلك إما إزالته عن مواضعه التى وضعه الله تعالى فيها من التوراة كتحريفه مربعة فى نعت النبى صلى الله عليه وسلم، ووضعهم مكانه طوال، وكتحريفهم الرجم ووضع الحد موضعه، وإما صرفه عن المعنى الذى أنزله الله تعالى فيه إلى ما لا صحة له بالتأويلات الفاسدة والتمحلات الزائغة كما تفعله المبتدعة فى الآيات القرآنية المخالفة لمذهبهم.“[روح المعانی، تفسير سورة النساء:۳/۴۵، وكذا فى التفسير الكبير :۱۰/۹۳](ترجمہ:یعنی تحریف یا تو یہ ہے کہ جو بات اللہ تعالیٰ نے جس جگہ بیان فرمائی ہے، وہاں سے اسے ختم کرنا، جیسا کہ تورات میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی صفات میں آپ کے درمیانے قد کا تذکرہ تھا، یہودیوں نے اس کی جگہ لمبے قد والا ہونا لکھ دیا، اور جیسے رجم کا حکم مٹا کر اس کی جگہ لفظ ”حد“ لکھ دیا۔ یا پھر تحریف کا مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے نازل کردہ احکامات کو باطل اور فرسودہ تاویلات کے ذریعہ اصل معنی سے ہٹا کر غلط باتوں کی طرف پھیرنا۔ اور اس میں ایسی تاویلات کرنا جیسے بدعتی لوگ اپنی بدعات کی تائید میں اُن قرآنی آیات میں فاسد تاویل کرتے ہیں جو ان کے مذہب کے خلاف ہوتی ہیں۔)

تحریف لفظی کی شکلیں:

پھر تحریف لفظی کی مختلف شکلیں متصور ہوسکتی ہیں، مثلاً:

الف: اپنی طرف سے کچھ کلمات کو قرآن میں شامل کرنا، جیسا کہ بہت سے روافض مختلف آیات میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کا نام نامی شامل کرلیتے ہیں یا مذمت وتردید والی آیات میں حضرات شیخین رضی اللہ عنہما کے نام لگا لیتے ہیں کہ یہ بھی قرآن کا حصہ ہے۔

ب: قرآن کریم کے کلمات کو قرآن سے نکالنا۔ کہ مثلاً قرآن کریم کی کوئی سورت، آیت یا اس کا کوئی ٹکڑا پسند نہیں آیا یا اپنے مزعومہ نظریہ سے متصادم پایا، تو اس کو (نعوذ باللہ) مصحف ہی سے خارج کیا کہ یہ قرآن کا حصہ نہیں ہے۔

ج: الفاظ وکلمات میں حذف واضافہ کے بغیر اس کی قرآنی ترتیب بدلنا، مثلاً دو مختلف آیتوں کو اس طرح جوڑنا: ” وَالَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ أُولَئِكَ أَصْحَابُ النَّارِ هُمْ فِيهَا خَالِدُونَ“

د: اعراب ونقاط میں اپنی من مانی کے مطابق تبدیلی کرنا، جیسا کہ مشہور ہے کہ اہل انطاکیہ نے یہ

درخواست پیش کی تھی کہ آیت کریمہ "فَأَبَوْا أَنْ يُضَيِّفُوهُمَا" کو "فَأَتَوْا أَنْ يُضَيِّفُوهُمَا" کر دیا جائے۔

یہ ساری تحریف لفظی کی شکلیں ہیں جس میں مزید تفصیل کی حاجت اس لیے نہیں ہے کہ اللہ تعالیٰ نے محض اپنے فضل وکرم سے ان جیسی تحریفات سے قرآن کریم کو محفوظ رکھنے کا وعدہ خود لے رکھا ہے اور اس کا واضح اعلان بھی فرمایا ہے، اس لیے کوئی لاکھ کوشش کرے لیکن ان جیسی تحریفات قرآن کا حصہ نہیں بنیں گی اور کوئی ہزار بُرا چاہے تو بھی امت کے درمیان اصل نازل شدہ قرآن اپنی مکمل تروتازگی کے ساتھ موجود رہے گا۔ (ان شاء اللہ) چنانچہ نزولِ قرآن کے وقت سے آج تک چودہ صدیوں کی لمبی تاریخ میں محض ایک آدھ بار ہی نہیں بلکہ بار بار ایسی کوششیں کی گئیں جن کی درست اور پوری مقدار خدا ہی بہتر جانتا ہے، لیکن خدائی وعدہ کے مقابلہ میں بیچارے انسان کی یہ ساری منصوبہ بندیاں اپنے واقعی اور منطقی انجام تک پہنچ کر دفن ہو گئیں اور ساتھ اپنے بنانیوالوں کو بھی لے ڈوب کر ناکامی کا شکار ہو گئیں۔

تحریف کی یہ قسم حرام تو ہے ہی، اگر کوئی قرآن کریم کے ساتھ اس قدر سینہ زوری اور مقابلہ کرتا ہے تو اس کا دین وایمان سلامت رہنا بھی مشکل ہے، علامہ قاضی عیاض رحمہ اللہ نے اس بات پر مسلمانوں کا اجماع نقل فرمایا ہے کہ جو شخص قصداً عمداً اپنی طرف سے قرآن کریم میں کچھ اضافہ کرے، کچھ کم کرے، یا قرآن کے لفظ کو ختم کر کے اپنی طرف سے کچھ پیوند لگائے کہ یہ بھی قرآن کا حصہ ہے تو وہ کافر ہے۔ چنانچہ "الشفاء" میں ہے:

قد أجمع المسلمون أن القرآن المتلو ...وأن من نقص منه حرفا قاصدا لذلك، أو بدله بحرف آخر مكانه، أو زاد فيه حرفا مما لم يشتمل عليه المصحف الذى وقع الإجماع عليه وأجمع على أنه ليس من القرآن عامدا لكل هذا، أنه كافر.[الشفاء بتعريف حقوق المصطفىٰ، الباب الثالث، فى حكم من سب الله تعالىٰ وملائكته وانبياء وكتبه: ۶۴۷/۲]

تمام مسلمانوں کا اس پر اجماع ہے کہ جس نے قرآن سے قصداً ایک حرف بھی کم کیا یا دوسرے حرف سے بدلا، یا قرآن کی متواتر قراءتوں میں قصداً ایسا حرف زیادہ کیا جو بالاتفاق اس میں نہ ہو تو بے شک وہ کافر ہے۔

تحریف معنوی کا مفہوم:

تحریف کی دوسری قسم معنوی ہے کہ قرآن کریم کے ثابت شدہ معانی ومفاہیم میں بلا دلیل شرعی اور بلا اذنِ شرعی قطع برید کیا جائے، ثابت شدہ معانی کا مطلب یہ ہے کہ نص یا اجماع کی روشنی میں کسی آیت کا کوئی معنیٰ متقرر ہو، لہٰذا اگر کسی آیت کی تفسیر میں نصوص مختلف ہوں یا نصوص تو موجود نہ ہوں لیکن کوئی ایک معنیٰ

مسلم ومتفق علیہ کی حیثیت اختیار نہ کر گیا ہو تو ایسی صورت میں عربی قواعد اور اصول تفسیر کے دائرہ میں رہتے ہوئے کوئی قول اختیار کرنا تحریف نہیں کہلائے گا، جیسا کہ اکثر آیات کی تفسیر میں حضرات صحابہ کرام اور دیگر مفسرین کی مختلف توجیہات نقل کی جاتی ہیں، ان میں بعض اقوال دوسرے کی بنسبت قوی، راجح اور صواب اور کچھ مرجوح وضعیف تو ہو سکتے ہیں، لیکن بہر حال ان کو تحریف سمجھنا غلط ہے۔

اسی طرح اگر بلا اذن شرعی نہ ہو بلکہ شرعی اصول کے دائرہ میں رہتے ہوئے کوئی تفسیر کرنا بھی تحریف نہیں کہلاتا، لہٰذا اگر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے بعد کوئی مفسر کسی آیت کی ایسی تفسیر کرتا ہے جو کسی صحابی سے تو منقول نہ ہو لیکن اس میں عربیت کے قواعد کی خلاف ورزی نہ ہوتی ہو اور اصول تفسیر واستدلال کے بھی خلاف نہ ہو تو بھی وہ مذموم تحریف میں داخل نہیں ہے، کیونکہ تحریف تو یہ ہے کہ خلافِ شریعت کسی بات / نظریہ کو کسی آیت کا مصداق ٹھہرایا جائے، یا اصول استنباط اور قواعد عربیت کے برخلاف کسی بات کو آیت کا مصداق قرار دیا جائے، یا نص سے ثابت شدہ حکم / مفہوم کو غیر مؤثر قرار دینے کے لیے نص کے الفاظ میں کوئی ہیر پھیر کی جائے۔

تحریفِ معنوی کی کچھ مثالیں:

اس کی ایک مثال یہ ہے کہ مروجہ خاندانی منصوبہ بندی کی تائید کے لئے آیت کریمہ "كَمْ مِنْ فِئَةٍ قَلِيلَةٍ غَلَبَتْ فِئَةً كَثِيرَةً بِإِذْنِ اللَّهِ." [البقرۃ:۲۴۹] پیش کی جاتی ہے، حالانکہ یہ آیت جہاد سے متعلق ہے جہاں اللہ تعالیٰ کی نصرت وتائید سے بہت مرتبہ کم تعداد والی جماعت اپنے سے بڑی جماعت پر غلبہ حاصل کر لیتی ہے، خاندانی منصوبہ بندی کا نظریہ تو شرعی تعلیمات سے متصادم ہے، اس لیے یہ تحریف معنوی ہے۔

کرکٹ کے ثبوت کے لیے آیت کریمہ "واركعوا" سے استدلال کرنا بھی اسی قبیل سے ہے کہ شریعت مطہرہ میں رکوع کا مفہوم موجود ہے، اس کے برخلاف کرکٹ کو اس کا مدلول ٹھہرانا تحریف ہے، قرآن کریم میں رسول اور نبی کی اطاعت وتابعداری غیر مشروط طور پر ضروری قرار دیا گیا اور مسلمانوں کو ان کی طرف رجوع کرنے کا حکم دیا گیا، رسول ونبی کا مفہوم بالکل واضح اور معلوم ہے اس مفہوم کو چھوڑ کر اس سے حکومت وریاست مراد لینا تحریف معنوی ہے کہ نصوص کے الفاظ کو تو تسلیم کیا لیکن اس کے ثابت شدہ مفہوم میں تبدیلی کا ارتکاب کیا۔

قرآن کریم میں حضرت آدم وحواء علیہما الصلاۃ والسلام کو جنت میں رہنے اور پھر وہاں شجرہ ممنوعہ میں سے کچھ کھانے کی وجہ سے زمین میں اتارنے کا قصہ متعدد آیات میں ذکر ہے، اس میں جنت سے باغ مراد لینا اور زمین پر اترنے سے باغ سے نکلنا مراد لینا بھی تحریف ہی ہے کہ بہت سے نصوص سے یہاں جنت

اور وہاں سے اترنے کا متبادر مفہوم ثابت ہے، اس ثابت شدہ مفہوم میں تبدیلی کرنا تحریف ہے، اسی طرح جن وانس، علم وعلماء اور ثواب وعقاب، جہاد وغیرہ اصطلاحات کے معانی میں خلاف نصوص اپنا خود ساختہ مفہوم داخل کرنا اور اسی کو آیات کا مصداق ٹھہرانا تحریفِ معنوی میں داخل ہے۔

قرآنی آیات کو بے موقع پیش کرنا:

قرآن کریم کی آیات اور احادیث نبویہ [علی صاحبها الوف الوف تحیات و تسلیمات] کے نصوص کو خلاف ضابطہ اور بے موقع پیش کرنا بھی ایک گونا تحریف معنوی ہے، اگر پیش کرنیوالا نص کا واقعۃً یہی بے جوڑ مفہوم قرار دیتا ہے تب تو اس کا تحریف معنوی ہونا واضح ہے اور اگر ازراہِ مذاق ایسا کرتا ہے تو اگر خود ان قطعی نصوص کا، یا وحی وشریعت کا مذاق اڑانا مقصود ہو تو یہ واضح کفر ہے جیسا کہ نعوذ باللہ مشرکین مکہ سورۃ بقرۃ وغیرہ کے متعلق اس طرح مذاق کیا کرتے تھے، فقہاء کرام نے بھی اس صورت کو کفر وارتداد قرار دیا ہیں اور اگر خود ان چیزوں کا مذاق اڑانا مقصود نہ ہو تو بھی نہایت سنگین گناہ اور خطرناک اقدام ہے، چنانچہ فتاویٰ ہندیہ میں ہے:

''اگر ایک شخص تلاوت کرتا ہے اور اس سے نصیحت نہیں پکڑتا اور دوسرا اس سے کہے کہ ''والتفّت السّاق بالسّاق''، کوئی شخص گلاس بھر کر لایا دیکھنے والے نے بطور مذاق کہا کہ ''کأسا دِهاقا'' یا ''کانت سرابا''، یا کسی نے ناپ تول کے وقت بطور مذاق کہا: ''واذا کالوهم أو وزنوهم یخسرون''۔۔یا کسی نے لوگوں کو جمع کیا اور کہا: ''فجمعناهم جمعا.'' یا کہا: ''حشرناهم فلم نغادرهم احدا''۔۔۔کسی کو نماز پڑھنے کی دعوت دی گئی تو اس نے کہا میں اکیلا پڑھتا ہوں کیونکہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ: ''ان الصّلاۃ تنهی''۔۔تو ان تمام صورتوں میں کہنے والا کافر ہو جائیگا۔'' [فتاویٰ ہندیہ: ۲۶۶/۲]

تحریفِ معنوی کی کثرت اور اہلِ علم کا فرض منصبی:

قرآن کریم میں تحریف معنوی کا نامبارک تسلسل کوئی آج سے یکدم شروع نہیں ہوا بلکہ خود خیر القرون ہی میں اس کا دروازہ کھلنے لگا تھا اور حضرات صحابہ کرام کے آخری دور میں نت نئے فرقے اور جماعتیں بننا شروع ہوئی تھیں، اس کے بعد تو چھوٹے بڑے فرقوں کی مجموعی تعداد سینکڑوں تک پہنچ گئی، ان میں سے تقریباً ہر ایک اپنے مزعومہ باتوں اور خود ساختہ نظریات وعقائد کے لئے قرآن وسنت ہی سے استدلال کرتا تھا لیکن شرعی دلائل، اصول استنباط اور قواعد عربیت کی رعایت نہ رکھنے کی وجہ سے ان کا استدلال تحریف معنوی کی حد تک پہنچ جاتا، چنانچہ اسی لئے ان کے مزعومہ قرآن وحدیث کے مستدلات کو مفسرین ومتکلمین نے تحریفِ معنوی قرار دیا۔

موجودہ زمانہ میں یہ افسوسناک سلسلہ ختم تو نہیں ہوا البتہ اس میں اتنی جدّت آ گئی کہ پہلے صرف دینی علم کے ساتھ کچھ نہ کچھ مناسبت اور اس میں کسی حد تک شغل رکھنے والے افراد ہی ان غلط فہمیوں کا شکار ہوتے تھے جبکہ ان کی عمومی زندگی دین داری سے معمور ہوتی تھی، اب کے لوگوں میں بہت سے جرأت مند وہ ہیں جن کو دینی علم سے کچھ تعلق ہے نہ ہی اپنے عام معاشرتی زندگی میں دینی تعلیمات پر عمل کرنے کا کوئی جذبہ ان کو نصیب ہے، لیکن بے دھڑک تحریف معنوی تک پر آمادہ ہو جاتے ہیں، پھر مصنفین اور مفسرین کی فہرست میں نام شامل ہونے کے شوق نے فتنہ کی اس آگ کو مزید سلگایا۔

سننِ بیہقی کی ایک روایت ہے کہ حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا ہے کہ:

عن إبراهيم بن عبد الرحمن العذرى ,قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: "يرث هذا العلم من كل خلف عدوله ,ينفون عنه تأويل الجاهلين ,وانتحال المبطلين , وتحريف الغالين." [السنن الكبرىٰ للبيهقي: ۳۵۴/۱۰، رقم الحديث: ۲۰۹۱۱]

اس علم کو ہر زمانے کے اچھے اور نیک لوگ سنبھالیں گے، وہ جاہلوں کی غلط تاویلات، کھوٹے سکے چلانے والوں کی طمع کاریوں اور غلو کرنے والوں کی تحریف سے اس کی حفاظت کریں گے۔

اس روایت میں علماء صالحین کی تین صفات جو درحقیقت ان کی ذمہ داریاں اور فرائض منصبی ہیں، بیان فرمائی گئی ہیں جن کا حاصل یہ ہے کہ یہ لوگ قرآن وسنت اور دین اسلام کے متعلق مختلف طبقات کی طرف سے پیدا ہونے والی غلط فہمیاں اور بداعتقادیاں دور کرتے رہیں گے اور لوگوں کے سامنے دین اسلام اپنی اصل اور واقعی حقیقی شکل میں پیش کرتے رہیں گے۔ اسی حدیث سے یہ بھی معلوم ہوا کہ عموماً اس قسم کے تحریفات وبداعتقادیوں کی وجہ یا تو جہالت ہوتی ہے، یا مزاج میں غلو اور عدم اعتدال اور یا بدنیتی۔

لہٰذا اہل علم کا ایک فرضِ منصبی یہ بھی ہے کہ اپنے ماحول وزمانہ میں قرآن وسنت، دینی احکام واصطلاحات کے متعلق پیدا ہونے والی غلط فہمیوں، بداعتقادیوں اور اس ضمن میں ہونیوالے تحریف معنوی کی اصلاح کرتے رہیں، اپنی حد تک درج بالا تین اسباب اور اس سے متصف افراد کی فتنہ پردازی سے غافل نہ ہوں اور اپنی قدرت واستطاعت کی حد تک ان جیسے افراد کو کوئی ایسا دینی منصب بالکل نہ دیا جائے جہاں ان سے اس قسم کے شر پھیلنے کا خدشہ ہو کیونکہ جلبِ مصلحت کے مقابلہ میں دفعِ مضرت اہم اور مقدم ہے۔ اللہ تعالیٰ فہم سلیم اور صراط مستقیم نصیب فرمائیں۔

بندہ عبید الرحمٰن، دارالافتاء دارالعلوم الرحمانیہ مردان، ۲۵/شعبان ۱۴۴۰ھ

☆......☆......☆......☆

مفتی سید عبدالقدوس ترمذی مدظلہم [صدر: جامعہ حقانیہ ساہیوال سرگودھا]

مقدمہ کتاب ’’علماء دیوبند کے خلاف سازشیں‘‘

بعدالحمدوالصلوٰۃ: قارئین کتاب ہٰذا کی خدمت میں گزارش ہے کہ مکہ مکرمہ میں رہنے والے ایک علمی گھرانے کے عالم جناب محمد علوی مالکی نے جب اپنے عقائد ونظریات پر مشتمل کتابیں تحریر کیں جن میں اپنے بدعی بلکہ بدعت سے بھی بڑھ کر گمراہانہ عقائد کا اظہار کیا جو سراسر قرآن وسنت اور جمہور اہل السنۃ والجماعۃ سے متصادم تھے تو مکہ مکرمہ کے قاضی جناب شیخ عبداللہ بن سلیمان بن منیع نے ان کے رد میں ’’حوارمع المالکی فی ردمنکراتہ وضلالتہ‘‘ کے نام سے ۱۴۰۳ھ بمطابق ۱۹۸۳ء میں ایک کتاب تحریر فرمائی، علوی مالکی صاحب کے معتقدین نے ان کا دفاع کیا اور ان کے حق میں کتابیں لکھیں حتیٰ کہ ۱۴۰۵ھ ۱۹۸۵ء میں جناب محمد علوی مالکی صاحب نے خود بھی اپنے مخالفین کے رد میں ’’مفاھیم یجب ان تصحح‘‘ کے نام سے عربی میں ایک ضخیم کتاب لکھی اور اس میں اپنے عقائد ونظریات جمع کر کے بہت سے اہل علم کی تقریظات لے کر اسے شائع کر دیا۔

اس کتاب پر بعض اکابر دیوبند رحمہم اللہ تعالیٰ سے بھی تقریظات حاصل کر لی گئیں، ان حضرات نے علوی مالکی صاحب سے حسن ظن کی بنا پر ان کی اس کتاب کی تائید فرمادی جب انہیں اصل صورتحال کا علم ہوا تو ان حضرات نے اپنی تقریظ سے رجوع فرمالیا، جزاہم اللہ تعالیٰ خیر الجزاء۔

احقر کو یاد ہے کہ جب اس کتاب پر تقریظات کے رجوع کا معاملہ چل رہا تھا اسی زمانہ میں جامعہ خیرالمدارس ملتان کی شوریٰ کے سالانہ اجتماع میں حضرت ڈاکٹر عبدالرزاق اسکندر دامت برکاتہم تشریف لائے ہوئے تھے، اس کتاب پر ان کی تقریظ بھی تھی حضرت مفتی عبدالستار صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ کے حکم پر احقر نے حضرت ڈاکٹر عبدالرزاق صاحب مدظلہ سے اس بارہ میں گفتگو کی تو انہوں نے فوراً اپنی تقریظ سے رجوع فرمالیا، آپ نے جو رجوع نامہ لکھ کر دیا تھا وہ احقر نے حضرت مفتی صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ کی خدمت میں پیش کر دیا تھا جس سے وہ بہت خوش ہوئے اور احقر کو دعاوں سے نوازا۔ بہرحال کتاب جب تک عربی میں رہی مسلک کو اس سے اتنا نقصان نہیں ہوا کیونکہ بہت سے حضرات کو اس کا علم تک بھی نہ تھا، معاملہ اس وقت بگڑا جب ۱۴۱۴ھ ۱۹۹۴ء میں ’’اصلاح مفاہیم‘‘ کے نام سے اس کا ترجمہ شائع ہوا، اہل علم کو اس ترجمہ کے دیکھنے سے پتہ چلا کہ علوی مالکی صاحب کے عقائد ونظریات کیا ہیں، چونکہ ان کے عقائد بریلوی مکتب فکر اور فاضل بریلوی جناب احمد رضا خان صاحب کے مسلک کے ترجمان تھے، اہل السنۃ والجماعۃ علماء

دیوبند کا ان عقائد ونظریات سے دور کا بھی تعلق نہ تھا، (احقر نے ۱۴۲۳ھ محرم الحرام کی پہلی شب مکہ مکرمہ میں ان کو خود دیکھا ہے استقبال سال ہجری کے عنوان سے انہوں نے جو بدعات کیں احقر نے ان کا تذکرہ اپنے سفرنامہ حج میں کر دیا ہے جو مجلّہ ''الحقانیہ'' ذوالحجہ ۱۴۳۹ھ میں شائع ہو چکا ہے۔) جبکہ تاثر یہ دیا جارہا تھا کہ علوی صاحب کی یہ کتاب علماء دیوبند کی مصدقہ اور ان کے عقائد کی ترجمان ہے اس لیے وقت کی یہ اہم ضرورت تھی کہ اس کا رد کیا جائے، چنانچہ مسلک دیوبند کے ترجمان علماء اہل السنۃ علماء دیوبند نے اس کا خوب رد کیا، احقاقِ حق اور ابطالِ باطل کے فریضہ کو بروقت سرانجام دے کر دفاع مسلک حق کا حق ادا کر دیا۔

اسی دوران جب حضرت مولانا عزیز الرحمٰن صاحب ہزاروی مدظلہم نے ''اکابر کا مسلک ومشرب'' کے نام سے ایک رسالہ تحریر فرما کر اہل بدعت کو اپنے ساتھ ملانے کی کوشش کی اور علماء دیوبند کے مسلک کو غلط طور پر پیش کیا تو اس دور کے فقہاء کرام اور علماء عظام نے اس کا بھی کما حقہ رد فرما کر اصل مسلک ومشرب کی حفاظت اور ترجمانی فرمائی، اس طرح اہل حق کے اصل وصحیح مسلک ومشرب کو خلط ملط کرنے کی یہ کوششیں کامیاب نہ ہو سکیں اور اہل حق کی بروقت تنبیہ کی وجہ سے اس طرح کی تمام مساعی دم توڑ گئیں، فللہ الحمد ولہ الشکر۔

جن حضرات اکابر دامت برکاتہم کی مساعی جلیلہ وجمیلہ کے نتیجہ میں مسلک ومشرب اہل حق کی صحیح ترجمانی اور دفاع ہوا، ان میں شیخ العرب والعجم حضرت مولانا سید حسین احمد مدنی قدس سرہ کے تلمیذ رشید وخلیفہ مجاز وکیل صحابہ حضرت مولانا قاضی مظہر حسین صاحب رحمہ اللہ۔ مفتی اعظم پاکستان حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب دیوبندی وحضرت علامہ ظفر احمد عثمانی رحمہ اللہ کے خلیفہ مجاز مسلک دیوبند کے مستند ترجمان حضرت فقیہ العصر مفتی سید عبدالشکور ترمذی رحمہ اللہ تعالیٰ۔ حضرت اقدس شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا کاندھلوی رحمہ اللہ تعالیٰ کے خلیفہ مجاز حضرت مولانا محمد یوسف لدھیانوی شہید رحمہ اللہ۔ فقیہ وقت حضرت مولانا مفتی عبدالستار صاحب سابق رئیس دارالافتاء جامعہ خیر المدارس ملتان رحمہ اللہ۔ مناظر اسلام حضرت مولانا محمد امین صفدر اوکاڑوی رحمہ اللہ، شیخ الاسلام حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی نائب صدر جامعہ دارالعلوم کراچی مدظلہم، محقق اہل سنت حضرت مولانا مفتی عبدالواحد صاحب دامت برکاتہم کے اسماء گرامی نمایاں ہیں۔

ان حضرات کے مضامین ومقالات متعلقہ موضوع سے متعلق مختلف جرائد ورسائل میں شائع ہوتے رہے، حضرت اقدس شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا کاندھلوی رحمہ اللہ کے خلیفہ فضیلۃ الشیخ جناب حضرت مولانا محمد اسماعیل بدات رحمہ اللہ کی فرمائش پر پہلے یہ تمام تحریرات ''تحقیقی نظر'' کے نام سے کتابی صورت میں عزیز محترم مولانا محمد ابوبکر علوی سلمہ اللہ نے شائع کی، پھر مزید در مزید اضافات مفیدہ کے ساتھ ''اکابر اہل سنت کا حقیقی مسلک ومشرب المعروف تحفظ عقائد اہل سنت'' کے نام سے پہلی مرتبہ ۲۰۱۶ء ۱۴۳۷ھ

اور دوسری مرتبہ مزید اضافات کے ساتھ ۲۰۱۷ء مطابق ۱۴۳۹ھ میں ہمارے محترم ومکرم حضرت مولانا حافظ عبدالرحیم چاریاری مدظلہم نے شائع فرمائیں۔اس کتاب کو بہت سے اہل علم نے پسند فرمایا اور مسلک ومشرب کی خدمت کے لیے ایک مفید ومستحسن کوشش قرار دیا۔

کتاب ''تحفظ عقائد اہل سنت'' آٹھ باب اور دو ضمیمے پر مشتمل ہے، دوسرے ایڈیشن کی ضخامت ۸۸۸ صفحات ہے۔اس کتاب سے جہاں جناب علوی مالکی اور ان کے پیروکار ومتبعین کے باطل عقائد ونظریات پر زد پڑی اس کے ساتھ بدعات اور رسومات اور بدعتی عقائد میں ان کے ہمنوا حضرات بھی اس سے متاثر ہوئے بغیر نہ رہ سکے، جو حضرات صحیح طور پر اہل حق علماء دیوبند کے مسلک ومشرب پر ہیں اکابر دیوبند حجۃ الاسلام حضرت مولانا محمد قاسم نانوتوی، حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی، حضرت مولانا خلیل احمد سہارنپوری، حضرت حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانوی، شیخ العرب والعجم حضرت مولانا سید حسین احمد مدنی قدس سرہم وغیرہم کے متبع ہیں انہیں تو اس کتاب کی اشاعت سے خوشی ہوئی اور وہ اس کے مندرجات سے سو فیصد متفق ہیں لیکن جو حضرات اپنے آپ کو اکابر دیوبند کی طرف منسوب کرتے ہیں اور ان کے صحیح وحق مسلک ومشرب کو ماننے کے لیے تیار نہیں ہیں بلکہ ان کے مسلک ومشرب میں تحریف کر کے انہیں اہل بدعت کا ہمنوا قرار دے رہے ہیں، وہ اس کتاب سے سخت ناراض اور پریشان اور مسلسل اس کی مخالفت کے درپے ہیں جن بزرگوں کے مضامین ومقالات پر یہ کتاب مشتمل ہے بحمد اللہ تعالیٰ وہ سب اہل السنۃ والجماعۃ اور علماء دیوبند کے مسلک ومشرب کے صحیح ترجمان وشارح ہیں اور اکثر براہ راست مرکز علم وعرفان دارالعلوم دیوبند کے فیض یافتہ اور اکابر دیوبند رحمہم اللہ کے دامن گرفتہ اور ان کے متبع اور معتمد علیہ ہیں مگر یہ طائفہ ان پر اعتماد کرنے کے لیے تیار نہیں، بلکہ اس کے علی الرغم انہیں مسلک ومشرب اور سنت وبدعت کی اپنی تشریح وتعبیر اور دیوبند مسلک کی اپنی تفسیر کے صحیح ہونے پر اصرار ہے، والی اللہ المشتکیٰ۔گویا ؎

وکل یدعی وصلاً بلیلیٰ

ولیلیٰ لاتقر لھم بذاك

والا معاملہ ہے۔

کتاب ''تحفظ عقائد اہل سنت'' جیسا کہ عرض کیا آٹھ باب پر مشتمل ہے، جناب علوی مالکی کے حامی طبقہ نے حال ہی میں اس کے صرف ایک باب بابِ ہشتم پر نظر کرم فرمائی ہے اور ''مجالس ذکر اللہ کے خلاف سازشیں'' کے نام سے بزعم خویش اس کا جواب تحریر فرمایا ہے، کسی بھی مسئلہ میں اختلاف اور اپنے موقف کا اظہار اور دوسرے فریق کے نقطہ نظر کا رد کوئی نئی اور غلط بات نہیں ہے ہر فریق کو سنجیدگی ،وقار اور متانت سے دوسرے فریق سے اختلاف کا پورا پورا حق ہے مگر جوابی مضمون میں مؤلف نے اہل حق

اور بزرگوں کے خلاف تنقید اور رد کا جو اسلوب اختیار فرمایا ہے اور ان کا جس طرح تمسخر اور استہزاء کیا ہے اسے دیکھ کر الامان والحفیظ ہی کہنا پڑتا ہے، ولكن صدق من قال: كل إناء يترشح بما فيه. اِس لیے اس میں ان کا قصور نہیں ہے۔

مؤلف کی کتاب دیکھنے سے اگرچہ واضح ہے کہ کئی مقام پر وہ حقیقت واقعہ کو نہیں سمجھ پاتے بلکہ خروج عن المبحث یا خلطِ مبحث کا شکار ہو جاتے ہیں، اسی طرح کئی جگہ ان کے دعویٰ اور دلیل میں عدم مطابقت کی وجہ سے تقریب تام نہیں ہوتی اور کہیں قیاس مع الفارق کے سمجھنے میں ان سے غلطی ہو جاتی ہے وشل ذٰلک، تاہم پھر بھی ضرورت تھی کہ انہوں نے اجتماعی ذکر بالجہر اور مروجہ مجالس ذکر کے جواز بلکہ استحباب کے بارہ میں جو کچھ لکھا ہے نہایت سنجیدگی اور متانت سے اس کا جائزہ لیا جائے اگر وہ حق ہو تو اسے قبول کیا جائے اور اگر غلط ہو تو ان کے مغالطات کا جواب دے کر اصل حقیقت کو آشکارا کیا جائے، چنانچہ حسب سابق یہ خدمت بھی ہمارے محترم حضرت مولانا عبدالرحیم چاریاری مدظلہم نے باحسن طریق انجام دی، انہوں نے فاضل مولف کے شبہات و مغالطات کا جواب سنجیدگی سے دیا ہے اور اہل حق کے موقف کو مدلل انداز میں واضح فرمایا ہے، بندہ نے ان کے جواب کو دیکھ لیا ہے بندہ اس سے متفق ہے حق تعالیٰ مولانا چاریاری مدظلہم کی کاوش کو قبول فرمائیں اور جزائے خیر سے نوازیں اور اس کتاب کو احیاء سنت و اماتت بدعت کا ذریعہ بنائے، آمین۔

مؤلف نے جہاں دیگر علماء کرام دامت برکاتہم کو اپنی طعن و تشنیع اور تنقید کا نشانہ بنایا ہے وہیں بندہ ناچیز اور اس کے والد مکرّم رحمہ اللہ بلکہ جد معظّم نور اللہ مرقدہ پر بھی ''نظر عنایت'' فرمائی ہے، بندہ تو کسی قطار و شمار میں نہیں بلکہ ؎

نہ گلم نہ برگ سبزم نہ درخت سایہ دارم
درحیرتم کہ دہقاں بچہ کار کشت مارا

کا مصداق اور سراپا تقصیر بلکہ صحیح معنیٰ میں بدنام کنندہ نیکونامے چند اور ننگ اکابر ہے، پھر نہ معلوم موصوف ممدوح نے کس خوش فہمی اور حسن ظن کی بنا پر احقر کو اکابر کے ساتھ ذکر کر دیا ہے، تاہم صالحین کے ساتھ یہ رسمی الحاق بھی اس ناچیز کے لیے کسی سعادت سے کم نہیں کیا عجب کہ حق تعالیٰ اس رسمی الحاق کو حقیقی معنیٰ میں الحاق بالصالحین والاکابر کا ذریعہ بنا دے، وماذٰلك على الله بعزيز.

ع شاہاں چہ عجب گر بنوازند گدارا

جہاں تک احقر کے والد ماجد فقیہ العصر یادگار اسلاف حضرت مفتی سید عبدالشکور ترمذی قدس سرہ اور حضرت جدامجد حضرت مفتی عبدالکریم ترمذی ثم گمتھلوی نور اللہ مرقدہ سابق مفتی خانقاہ امدادیہ تھانہ

بھون کا معاملہ ہے تو بحمداللہ تعالیٰ یہ دونوں بزرگ دیوبندی مکتب فکر کے ہاں معتبر ومستند ہیں ان کی دینی، علمی، تبلیغی اور فقہی خدمات نیز اکابر کا ان پر اعتماد اس پر شاہد عدل ہے

ع فی طلعۃ الشمس مایغنیك عن زحل

محترم جناب مولانا چاریاری صاحب مدظلہم نے اپنی اس کتاب میں نہ صرف بندہ پر کیے گئے اعتراض کا جواب دیا بلکہ احقر کے بزرگوں پر کی گئی تنقید کا بھی متین جواب تحریر فرمادیا ہے، جزاہ اللہ تعالیٰ خیرالجزاء، اس لیے بندہ کو اس بارہ میں مزید کچھ لکھنے کی ضرورت نہیں ہے لیکن بعض احباب کا اصرار ہے کہ مؤلف نے بندہ ناچیز اور حضرت والد ماجد نیز جد امجد نوراللہ مرقدہما کے حوالہ سے جو مغالطات دیے ہیں اور بدگمانی کی وجہ سے انہوں نے احقر پر سلفی ہونے کا جو الزام لگایا ہے اس کا جواب احقر تفصیلاً خود لکھے لیکن اس وقت احقر ناکارہ کی طبیعت اس طرف مائل نہیں ہے بوجہ

تودانی که مارا سرجنگ نیست
وگرنه مجال سخن تنگ نیست

پھر چونکہ اجمالاً جواب ہوبھی گیا ہے، فلہٰذا احقر سردست اسی پر اکتفا کرتا ہے، وفی ھٰذا کفایۃ لمن لہ ادنیٰ درایۃ، واللہ الھادی فی کل بدایۃ ونھایۃ، وھوالعاصم عن الضلالۃ والغوایۃ.

احقر اپنی گذارش مکمل کر چکا تھا لیکن کتاب ''مجالس ذکراللہ کے نام پر علماء دیوبند کے خلاف سازشیں'' طبع ہونے میں بوجوہ تاخیر ہوئی اور اس دوران کتاب ''مجالس ذکراللہ کے خلاف سازشیں'' کا دوسرا اڈیشن بعض اضافات کے ساتھ طبع ہوگیا ضرورت محسوس ہوئی کہ اس کا بھی تحقیقی جائزہ لے لیا جائے چنانچہ محترم چاریاری صاحب مدظلہم نے اپنی اس کتاب میں اجمالی طور پر اس جدید اڈیشن کے مندرجات کا جواب بھی تحریر فرمادیا، احقر نے یہ جواب دیکھ لیا ہے، احقر کے نزدیک فی نفسہ سب جوابات صحیح ہیں، لیکن تحریر کا انداز بعض جگہ قدرے تیز ہے، مؤلف کتاب ''مجالس ذکر اللہ کے خلاف سازشیں'' نے جو طرز اختیار کیا ہے چونکہ اس کے مقابلہ میں مولانا چاریاری زیدمجدہم کا انداز ہرگز جارحانہ نہیں ہے اس لیے امید ہے کہ اسے نظر انداز کرتے ہوئے اصل مقصد کو پیش نظر رکھا جائے گا۔

جہاں تک ذکراللہ کی اہمیت ضرورت فضیلت اور برکات کا مسئلہ ہے تو اس میں کسی کو کلام نہیں سب اہل حق کے نزدیک ذکراللہ روح کی غذا اور نہایت فضیلت وبرکت کی چیز اور صقالۃ القلوب ہے قرآن وحدیث میں اہل ایمان کو کثرت سے ذکراللہ کا حکم دیا گیا ہے اور حق تعالیٰ نے انہی لوگوں کو عقلمند اور سمجھدار قرار دیا ہے جو قیام وقعود اور ہر حال میں حق تعالیٰ کا ذکر کرتے ہیں۔

حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ذکراللہ کرنے والوں کو زندہ اور ذکر نہ کرنے والے کو مردہ

قرار دیا ہے، علاوہ ازیں ذکر اللہ کے فضائل ومناقب اور اس کی ضرورت قرآن کریم اور احادیث طیبہ سے ثابت ہے اور حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم تابعین تبع تابعین علماء کرام فقہاء عظام محدثین کرام سب اس کی ضرورت کے قائل ہیں، ذکر کی ضرورت اور فضائل پر ہر دور میں رسائل، مضامین اور کتابیں لکھی گئیں ہیں ،حضرت اقدس شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا کاندھلوی قدس سرہ کا مبارک رسالہ اس موضوع پر نہایت نافع اور مفید ہے اور چودہ سو سال سے اہل حق کے تمام طبقات اپنے اپنے طور پر ذکر کرتے رہے ہیں خاص طور پر صوفیاء کرام اور مشائخ کا ہمیشہ سے ذکر اللہ کا معمول رہا ہے۔

اہل السنۃ والجماعۃ علماء دیوبند بھی نہایت شدومد سے نہ صرف یہ کہ ذکر اللہ اور درود شریف پڑھنے کے قائل بلکہ ہمیشہ اس پر عامل رہے ہیں چونکہ اکابر وفقہا اور مشائخ دیوبند صرف ظاہر شریعت ہی نہیں بلکہ طریقت کے بھی جامع ہیں اس لیے ان کے ہاں صوفیاء کرام رحمہم اللہ تعالیٰ کے تعلیم کردہ وظائف واعمال اور معمولات بھی پائے جاتے ہیں اور وہ اپنے متوسلین ومتعلقین کو بھی اس کی تلقین فرماتے ہیں چنانچہ مشائخ دیوبند قطب الارشاد فقیہ وقت امام ربانی حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی، محدث جلیل امام المتکلمین والفقہاء حضرت مولانا خلیل احمد سہارنپوری، حضرت شیخ العالم مولانا محمود حسن دیوبندی، حضرت حکیم الامت مجدد الملت مولانا شاہ اشرف علی تھانوی، شیخ العرب والعجم حضرت مولانا سید حسین احمد مدنی، حضرت اقدس شاہ عبد الرحیم رائپوری رحمہم اللہ تعالیٰ ان کے خلفاء کرام اور متوسلین کے ہاں ہمیشہ ذکر اللہ اور درود شریف کا معمول رہا اور یہ سب اکابر اپنے متعلقین کو اس کی ہدایت وراہنمائی فرماتے رہے ہیں۔

حضرت اقدس حکیم الامت مجدد الملت مولانا شاہ محمد اشرف علی تھانوی قدس سرہ کے ہاں خانقاہ امدادیہ تھانہ بھون میں اور حضرت شیخ الہند قدس سرہ کے دیوبند اور حضرت سہارنپوری کے ہاں سہارنپور اور حضرت رائے پوری کے ہاں رائے پور میں باقاعدہ اصلاح وارشاد کا سلسلہ قائم تھا، ان حضرات اکابر رحمہم اللہ تعالیٰ سے ہزاروں بلکہ لاکھوں متوسلین نے فیض حاصل کیا اور ذکر اللہ سے اپنے قلوب کو منور فرمایا، ان میں خادم خاص حضرت امام ربانی حضرت مولانا محمد یحیٰ کاندھلوی، حضرت مولانا محمد الیاس کاندھلوی، حضرت مولانا محمد زکریا کاندھلوی، حضرت علامہ ظفر احمد عثمانی، حضرت مولانا شاہ عبد القادر رائے پوری، حضرت مولانا مفتی محمد حسن امرتسری، حضرت مولانا خیر محمد جالندھری، حضرت مولانا شاہ وصی اللہ، حضرت مسیح الامت مولانا مسیح اللہ خان جلال آبادی، مفتی اعظم حضرت مولانا مفتی محمد شفیع دیوبندی، حضرت علامہ سید سلیمان ندوی، حضرت مولانا محمد عیسیٰ الہ آبادی، حضرت مولانا فقیر محمد پشاوری، حضرت ڈاکٹر عبد الحیٔ عارفی، حضرت حاجی محمد شریف ہشیارپوری، حکیم الاسلام حضرت مولانا قاری محمد طیب قاسمی، حضرت علامہ محمد انور شاہ کشمیری، حضرت مفتی عزیز الرحمان دیوبندی، حضرت قاضی مظہر حسین، حضرت مولانا سید خورشید حسین ہمدانی، حضرت مولانا

مفتی محمود حسن نانوتوی رحمہم اللہ تعالیٰ کے اسماء گرامی بطور ''مشتے نمونہ ازخروارے'' پیش کئے جاسکتے ہیں۔ان حضرات کے بعد پھران کے خلفاء اورآگے ان کے اجازت یافتہ حضرات کا سلسلہ چلا اور بحمداللہ تاہنوزان حضرات کا فیض پوری آب وتاب کے ساتھ جاری ہے اوران شاءاللہ تعالیٰ قیامت تک جاری رہے گا۔

فخرالمحدثین امام المتکلمین و الفقہاقاطع البدعۃ حضرت مولانا خلیل احمد سہارنپوری قد س سرہ نے مشائخ دیوبند کے روحانی سلاسل سے انسلاک واصطباغ کا تذکرہ اپنی کتاب ''المہند'' میں یوں فرمایاہے:

ومنتسبون من طرق الصوفية الى الطريقة العلية المنسوبة الى السادة النقشبنديةوالطريقة الزكيةالمنسوبة الى السادة الچشتية والى الطريقة البهية المنسوبة الى السادة القادرية والى الطريقة المرضية المنسوبة الى السهروردية رضى الله عنهم اجمعين. (المهند)

علماء دیوبندومشائخ دیوبند چونکہ شریعت وطریقت کے جامع متبع سنت اورفقہ میں سیدنا امام اعظم ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے مقلد ہیں اس لئے وہ ہر مسئلہ میں قرآن وسنت اورفقہ حنفی کے مفتی بہ اورراجح اقوال پرفتویٰ دیتے ہیں اورانہیں پرعمل بھی کرتے ہیں یہ حضرات اہل السنۃ والجماعۃ اور مذہب حنفی کے شارح وترجمان ہیں چنانچہ ''المہند'' میں تصریح ہے:

انابحمدالله ومشايخنارضوان الله عليهم اجمعين وجميع طائفتنا وجماعتنامقلدون لقدوة الانام وذروة الاسلام الامام الهمام الامام الاعظم ابى حنيفة النعمان رضى الله عنه فى الفروع ومتبعون للامام الهمام ابى الحسن الاشعرى والامام الهمام ابى منصورالماتريدى رضى الله عنهمافى الاعتقاد والاصول،الخ۔انالانتكلم بكلام ولابقول فى الدين الاعليه عندنادليل من الكتاب اوالسنة اواجماع الامة اوقول من ائمة المذهب،الخ۔(۹)

ہم اورہمارے مشائخ اورساری جماعت بحمداللہ فروعات میں مقلد ہیں مقتدائے خلق حضرت امام ہمام امام اعظم ابوحنیفہ نعمان بن ثابت رضی اللہ عنہ کے اوراصول واعتقادیات میں پیروہیں امام ابوالحسن اشعری اورامام ابومنصور ماتریدی رضی اللہ عنہما کے۔ہم دین کے بارہ میں کبھی کوئی بات ایسی نہیں کہتے جس پرکوئی دلیل نہ ہوقرآن مجید کی یاسنت کی یااجماع امت یاقول کسی امام کا۔

''المہند'' کی ان عبارات سے صاف واضح ہے کہ علماء دیوبند کے فتاویٰ ومسائل اورفقہ حنفی کے مطابق ہیں اوریہ کہ ان کے ہرمسئلے پرقرآن وسنت اورفقہ کی مہرثبت ہے۔

اصول وعقائدمیں بنیادی طورپران کے امام حضرت ابومنصور ماتریدی اورامام ابوالحسن اشعری ہیں

جبکہ فقہ میں یہ سیدنا امام اعظم ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ کے پیروکار ہیں۔

پھر علماء دیوبند میں اصول وعقائد میں امامت کا درجہ حجۃ الاسلام حضرت مولانا قاسم نانوتوی قدس سرہ کو حاصل ہوا اور فروع میں امامت کے درجہ پر ابوحنیفہ وقت امام ربانی حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی فائز ہوئے، یہ دونوں حضرات حضرت الامام حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رحمہ اللہ کے علمی سلسلہ سے منسلک اور ایک واسطہ سے ان کے خاندان کے ممتاز ونامور تلامذہ میں سے تھے، دہلی کے بعد 1283ھ بمطابق 1866ء میں انہی کے ذریعہ دیوبند میں دینی مدرسہ کا قیام عمل میں آیا، اور دیوبند کی بستی علم وعرفان، شریعت وطریقت کا مرکز قرار پائی اور حق تعالیٰ نے دارالعلوم دیوبند کا فیض چہار وانگ عالم میں جاری فرما دیا، فللہ الحمد ولہ الشکر۔

حجۃ الاسلام حضرت مولانا محمد قاسم نانوتوی اور حضرت قطب الارشاد مولانا رشید احمد گنگوہی رحمہما اللہ کے اصول وعقائد اور فقہ میں امام ہونے کا اعلان امام العصر محدث کبیر حضرت علامہ محمد انور شاہ الکشمیری نور اللہ مرقدہ نے ایک عظیم جلسہ میں اس وقت فرمایا جب علامہ سید رشید رضا مصری مرحوم 1330ھ 1912ء میں دارالعلوم دیوبند کو دیکھنے کے لیے دیوبند تشریف لائے تھے اور حضرت شیخ الہند شیخ العالم مولانا محمود حسن دیوبندی قدس سرہ کی زیر صدارت ایک عظیم الشان جلسہ منعقد ہوا تھا، علامہ انور شاہ کشمیری رحمہ اللہ کا عظیم الشان اور تحقیقات عجیبہ غریبہ ونادرہ پر مشتمل خطاب اہل علم کیلئے نہایت مفید اور خاصہ کی چیز ہے، ماہنامہ ''الرشید'' ساہیوال کے دیوبند نمبر اور حضرت مولانا سید انظر شاہ کشمیری رحمہ اللہ کی کتاب ''نقش دوام'' میں یہ عظیم اور معرکۃ الآراء علمی خطاب لاجواب شائع ہو چکا ہے۔

ان دونوں بزرگوں کا علمی روحانی عرفانی مقام اس عظیم شہادت سے بھی واضح ہے جو ان کے مربی وشیخ امام الطائفہ حضرت حاجی امداد اللہ صاحب مہاجر مکی قدس سرہ نے تصوف وسلوک پر مشتمل اپنی جامع کتاب ''ضیاء القلوب'' میں تحریر فرمائی ہے۔

حضرات علماء دیوبند اہل السنۃ والجماعۃ ہیں اور اہل السنۃ والجماعۃ فقہاء احناف رحمہم اللہ تعالیٰ کی تصریحات سے واضح ہے کہ جو امور فی نفسہ مباح یا مستحب ہوں ان میں اگر منکرات کا انضمام ہو جائے تو وہ مستحب یا مباح نہیں رہتے بلکہ منکرات کے شامل ہونے کی وجہ سے ان کا ترک واجب ہے، ہاں اگر وہ امور ایسے ہوں جو مقصود بالذات یا واجب ہوں ان میں انضمام مفاسد ومنکرات کی وجہ سے ان کو ترک کرنا جائز نہیں بلکہ اس وقت منکرات سے بچنا اور ان امور کو بجالانا ضروری ہوگا انضمام مفاسد کی وجہ سے ایسے امور کا ترک جائز نہیں ہوگا۔

اس ضابطۂ مسلمہ وقاعدۂ ممہدہ سے انفرادی محافلِ ذکر ومجالسِ ذکر اسی طرح سراً وجہراً اجتماعی

ذکر کا حکم بھی معلوم ہو جاتا ہے۔

جس کا حاصل یہ ہے کہ ذکر اللہ تعالیٰ فی نفسہ ایک امر مستحب بلکہ اعلی المستحبات ہے اس کے اعلیٰ واشرف اور افضل ہونے میں کوئی کلام نہیں ہے اس کی کثرت اور دوام بھی نہایت پسندیدہ اور مرغوب فیہ ہے قواعد شرعیہ کا لحاظ کرتے ہوئے سراو جہرا دونوں طرح ذکر جائز ہوگا رہا اجتماعی ذکر اور محافل ومجالس ذکر اور ذکر اللہ کیلئے تداعی کا حکم اور اجتماع کر کے ذکر اللہ کرنے کا معاملہ تو ظاہر ہے کہ ان امور کا حکم بھی وہی ہوگا جو دیگر امور مباحہ اور مستحبہ کا ہے چونکہ امور مباحہ ومستحبہ کے لیے اجتماع اور تداعی مکروہ ہے اس لئے ذکر اللہ کو اجتماعی طور پر کرنا منع ہوگا اور اس کے لیے دعوت اور تداعی کی بھی ممانعت ہوگی پس ذکر اللہ انفرادی طور پر کیا جائے اس میں سرا کے ساتھ جہرا بھی بلا کراہت جائز ہے بشرطیکہ جہر مفرط نہ ہو، یہ اہل السنۃ والجماعۃ احناف اصول کے عین مطابق ہے بعض مشائخ صوفیاء کرام رحمہم اللہ تعالیٰ کے ہاں جو اجتماعی ذکر پایا جاتا ہے تو اسے تعلیم پر محمول کیا جاسکتا ہے وہ حضرات اپنے متعلقین واحباب اور سالکین کو تعلیم کے لیے اجتماعی ذکر تلقین فرماتے تھے اس اجتماع سے مقصود تعلیم تھی نہ کہ ذکر اللہ کی مجالس کا انعقاد اس محمل حسن پر محمول کرنے سے ان مشائخ عظام کا یہ عمل حنفیہ کے مذکورہ مسلمہ قاعدہ کے خلاف نہیں رہتا بشرطیکہ اسے تعلیم کی حد تک ہی رکھا جائے اور مشائخ عظام اپنے نوآموز متعلقین کو اپنی خانقاہوں میں یا خاص جگہ پر اس کی تعلیم دیں اس طرح کے حلقوں کو عام مجالس اور مساجد میں نہ کیا جائے۔

ذکر اللہ کے جواز کی مذکورہ متفقہ صورت حنفیہ کے اصول کے عین مطابق اور اکابر وفقہاء دیوبند کی مصدقہ ہے جو حضرات اپنے کو ان حضرات اکابر رحمہم اللہ کا متبع قرار دیتے ہیں ان سے گذارش ہے کہ وہ بھی اسی متفق علیہ صورت کو اپنالیں کیونکہ جو صورت اکابر علماء دیوبند اور فقہ حنفی کے ضابطہ پر پوری نہ اترتی ہو بلکہ اصولا اس میں کراہت یا بدعت ہونے کا فتویٰ دیا جارہا ہو اس سے احتراز ہی ضروری ہے، ھٰذا ما عندی ولعل عند غیری احسن من ھٰذا

من آنچہ شرط وفاست باتو می گویم
تو خواہ از سخنم پند گیر خواہ ملال

طرد اللباب آخر میں گزارش ہے کہ احقر ناکارہ کے جد اعلیٰ حضرت مولانا سید محمد عبداللہ ترمذی رحمہ اللہ المتوفی ۱۲۹۳ھ حضرت شاہ محمد اسحاق دھلوی اور حضرت شاہ عبدالعزیز محدث دھلوی رحمہم اللہ سے علمی فیضیابی کے ساتھ روحانی طور پر سلسلہ نقشبندیہ مجددیہ کے مایہ ناز بزرگ حضرت شاہ ابوسعید اور ان کے فرزند ارجمند حضرت شاہ احمد سعید مجددی رحمہم اللہ سے منسلک تھے جبکہ احقر کے پردادا حضرت مولوی حکیم سید محمد غوث ترمذی المتوفی ۱۳۵۵ھ حضرت شاہ ابوالخیر رحمہ اللہ المتوفی ۱۳۴۱ھ سے بیعت اور سلسلہ مجددیہ سے

فیض یافتہ تھےان دونوں حضرات کے متوسلین ومریدین کا بڑا حلقہ ضلع کرنال مشرقی پنجاب ہند میں موجود تھا، درس وتدریس تبلیغ وطبابت کے ساتھ متوسلین کی اصلاح وتربیت کا اہتمام بھی ان حضرات کے ہاں باقاعدہ کیا جاتا تھا۔

احقر ناکارہ کے جدامجد حضرت مفتی عبدالکریم گمتھلوی رحمہ اللہ المتوفی ۱۳۶۸ھ باقاعدہ جامعہ مظاہرالعلوم سہارنپور کے فاضل حضرت اقدس سہارنپوری قدس سرہ کے تلمیذ رشید اور حکیم الامت تھانوی قدس سرہ سے بیعت ان کی خانقاہ امدادیہ تھانہ بھون کے مفتی، حضرت کے خاص معتمد علیہ عالم صحبت یافتہ اور مجاز تھے۔

حضرت والد ماجد فقیہ العصر یادگار سلف مولانا المفتی القاری السید عبدالشکور ترمذی رحمہ اللہ المتوفیٰ ۱۴۲۱ھ دارالعلوم دیوبند کے فاضل حضرت اقدس مدنی قدس سرہ کے تلمیذ رشید حضرت حکیم الامت مجدد ملت تھانوی قدس سرہ سے بیعت ان کے صحبت یافتہ اور حضرت مفتی اعظم پاکستان مولانا مفتی محمد شفیع صاحب دیوبندی نوراللہ مرقدہ اور محدث کبیر فقیہ خبیر حضرت علامہ مولانا ظفراحمد عثمانی رحمہ اللہ کے خلیفہ اجل وارشد تھے۔

اِس سے واضح ہے کہ تمام اکابر دیوبند رحمہم اللہ تعالیٰ کی طرح بحمداللہ تعالیٰ احقر ناکارہ کا خاندان بھی شریعت وطریقت کا جامع ہے۔ذکرواذکار،درود شریف اور دیگر معمولاتِ مشائخ کا نہ صرف قائل وعامل بلکہ دوسروں کو بھی اس کی تعلیم وتلقین کرنے والا ہے۔

بندہ ناچیز نے حضرت اقدس تھانوی قدس سرہ اور حضرت اقدس مدنی نوراللہ مرقدہ کا زمانہ نہیں پایا لیکن ان دونوں بزرگوں بلکہ بعض دیگر اکابر کے متوسلین اور خلفاء کرام کی خوب زیارت کی ہے اور کچھ بزرگوں سے نہ صرف بیعت بلکہ ان کی خدمت میں حاضری اور اصلاحی تعلق کا بھی شرف حاصل ہوا ہے احقر کو خوب یاد ہے کہ ربیع الثانی ۱۳۹۵ھ مئی ۱۹۷۵ء میں جب حضرت والد ماجد رحمہ اللہ نے اس ناکارہ کو حضرت سیدی مفتی اعظم پاکستان مولانا مفتی محمد شفیع دیوبندی قدس سرہ کے دست حق پرست پر بیعت کرایا تو حضرت مفتی اعظم رحمہ اللہ نے احقر کو کلمۂ تمجید کثرت سے پڑھنے کی تلقین فرمائی تھی اس کے بعد حضرت مسیح الامت حضرت مولانا مسیح اللہ خان صاحب جلال آبادی رحمہ اللہ سے جب بیعت کے بعد اصلاحی تعلق قائم ہوا تو آپ نے بھی مشائخ چشت کی معمول بہا دوازدہ تسبیحات اور کلمہ طیبہ لا الہ الا اللہ کے ورد کے لیے ارشاد فرمایا تھا۔

غرضیکہ ذکراللہ کی تلقین وتعلم سلسلہ کے تمام اکابر ومشائخ کا معمول رہا ہے کیونکہ ایک عاشق اور محبّ صادق کے لیے محبوب کا ذکر سب سے بہترین مشروب ہے کما قیل۔

وذکــــرك لـــلــمشتـــاق خيـــر شـــراب

وکـــل شـــراب دونــــــه کســراب

حضرت شاہ عبدالعزیز محدث دھلوی قدس سرہ کے تلمیذ رشید خاتم مثنوی مولانا روم حضرت مولانا مفتی الٰہی بخش کاندھلوی رحمہ اللہ کا یہ شعر تو اس بارہ میں بہت ہی عجیب وغریب اور وجد آفریں ہیں۔

اللہ اللہ ایں چہ شیریں ہست نام

شیر و شکرمی شود جانم تمام

دوازدہ تسبیحات معمولہ مشائخ چشت اہل بہشت رحمہم اللہ تعالیٰ کو حضرت خواجہ عزیز الحسن صاحب مجذوب رحمہ اللہ نے ''نفیر غیب'' کے نام سے منظوم فرمایا ہے یہ رسالہ منظومہ ''یاد خدا'' کے نام سے بھی طبع ہوتا رہا، حضرت والد صاحب رحمہ اللہ فرماتے تھے حضرت خواجہ صاحب قدس سرہ نے یہ رسالہ خانقاہ امدادیہ اشرفیہ میں قیام کے دوران ۱۳۵۳ھ میں تحریر فرمایا تھا اور ہم اس وقت مدرسہ امدادالعلوم تھانہ بھون میں قرآن کریم حفظ کرتے تھے اور حضرت خواجہ صاحب رحمہ اللہ کا یہ رسالہ ہم بڑے مزے لے کر پڑھتے تھے اس طرح حق تعالیٰ کا ذکر بچپن سے ہی ان کے دل ودماغ میں رچا بسا ہوا تھا۔ فلله الحمد و له الشکر ،حق تعالیٰ اس ناکارہ کو بھی اس دولت بے بہا سے موفق ومشرف فرمائیں آمین۔

حضرت والد صاحب رحمہ اللہ کا بچپن حضرت حکیم الامت تھانوی قدس سرہ کے زیر سایہ تھانہ بھون میں گذرا جہاں ہر طرف نورانی اور روحانی ماحول تھا اور خانقاہ امدادیہ میں ذاکرین وشاغلین کا ہر وقت ہجوم رہتا تھا۔ حضرت اقدس حکیم الامت تھانوی قدس سرہ سالکین وطالبین کی اصلاح وتربیت فرماتے اور انہیں ذکر واوراد اور اشغال کی بھی تلقین فرماتے اور ہر سالک کی حالت اور ضرورت کو دیکھ کر انہیں ذکر بھی بتاتے ، حضرت والد ماجد رحمہ اللہ سے حضرت مولانا سیف الرحمٰن رحمہ اللہ جو منڈی بہاء الدین کے علاقہ کھٹیالہ شیخاں کے رہنے والے تھے ان کا واقعہ بارہا سنا کہ حضرت مولانا رحمہ اللہ دارالعلوم دیوبند سے تعلیم مکمل کرنے کے بعد بغرض اصلاح وتربیت باطنی حضرت اقدس حکیم الامت تھانوی رحمہ اللہ کی خدمت میں حاضر ہوئے تو حضرت نے انہیں جو معمولات بتائے ان میں ذکر اللہ کے لیے بھی ارشاد فرمایا کہ اسم ذات کا ذکر روزانہ ۱۲/ہزار مرتبہ کریں پھر تدریجاً اس کی تعداد میں اضافہ کے لیے فرمایا، جب روزانہ اسم ذات کی تعداد ۴۸/ ہزار تک پہنچی تو حضرت حکیم الامت رحمہ اللہ نے اس پر انہیں شاباش دی اور اپنی مسرت کا اظہار فرمایا۔

احقر نے بھی ۱۳۹۹ھ میں جامعہ اشرفیہ لاہور میں مجلس صیانۃ المسلمین کے سالانہ اجتماع میں ان کی زیارت کی تھی ان سے کتاب ''بـلـغة الـحيـران'' کے حمام میں جلانے کا واقعہ بھی سنا تھا، غرضیکہ خانقاہ امدادیہ تھانہ بھون میں بھی سالکین ذکر اذکار کا برابر اہتمام فرماتے تھے، لیکن مروجہ اجتماعی ذکر کی مجالس نہ تھیں۔

ذکر کے حوالہ سے جب یہ سوال پیدا ہوا کہ اسم جلالہ اسم ذات کی کثرت کے وقت اگر بلاقصد آخر سے حرف ''ہ'' حذف ہو جائے تو اس کا کیا حکم ہے تو اس پر احقر کے جدامجد حضرت مفتی عبدالکریم گمتھلوی رحمہ اللہ نے اس کے جواز کا فتویٰ تحریر فرمایا تھا جس سے اس وقت کے علما خانقاہ نے اتفاق فرمایا اور اس جواب کی تائید وتصدیق فرمائی حضرت حکیم الامت تھانوی قدس سرہ نے بھی اس کے جواز کا فتویٰ قلم بند فرمایا۔ یہ واقعہ ۱۳۴۴ھ بمطابق ۱۹۲۶ء کا ہے یہ ساری علمی اور مفید بحث ''بوادرالنوادر'' میں قابل ملاحظہ ہے۔ حضرت جدامجد رحمہ اللہ کا فتویٰ ''امدادالاحکام'' جلد اول میں بھی طبع ہو چکا ہے۔

اللہ تعالیٰ ہم سب کو بدعات ورسومات سے بچائیں اور سنت سنیہ کی اتباع کی توفیق عطا فرمائیں، آمین وصلی اللہ تعالیٰ علیٰ خیر خلقہ محمد وآلہ واصحابہ اجمعین الیٰ یوم الدین۔ فقط

فقط احقر عبدالقدوس ترمذی غفرلہ

دارالافتا جامعہ حقانیہ ساہیوال سرگودہا

۱۰/رمضان المبارک ۱۴۴۰ھ لیلۃ یوم الخمیس

☆......☆......☆......☆

صفحہ نمبر 70 کا بقیہ ......مولانا مفتی محمد زاہد، افکار ونظریات

''دینی مدارس کا بنیادی فریضہ یعنی مزاج سلف کے حامل دین کی گہری سمجھ رکھنے والے ایسے محقق علماءِ ربانی تیار کرنا جو ہر شعبۂ زندگی میں تعلیماتِ نبوی کی روشنی میں لوگوں کی صحیح راہ نمائی کر سکیں......دوسرے جین کے خلاف اٹھنے والے نظریاتی وفکری فتنوں کا مقابلہ، دین کے متعلق پیدا کیے جانے والے شکوک وشبہات کا ازالہ اور خود دین ہی کی تشریح وتعبیر میں تحریف وتاویل اور غلط فہمیاں پیدا کرنے کی کوششوں کا موثر اور حکیمانہ مقابلہ......ایک طرف غیر مسلموں کی طرف سے شکوک وشبہات پیدا کرنے کا سلسلہ جاری ہے، جو صرف عقائد ونظریات کی حد تک محدود نہیں ہے، بلکہ ہر جزئی اور فرعی مسئلہ ان کے حملوں کی زد میں ہے......دوسری طرف مسلمانوں کے اندر نئے نئے ''مجتہدین'' کی طرف سے دین کا حلیہ بگاڑنے کا سلسلہ جاری ہے اور ان کے ہر ''اجتہاد'' کا رشتہ بھی کسی نہ کسی مغربی فتنے سے جڑا ہوتا ہے''۔[ماہنامہ الصیانہ لاہور، رمضان المبارک ۱۴۲۲ھ/دسمبر ۲۰۰۱ء]

مگر اس وقت وہ مکمل مغربی اجتہاد کی روش اختیار کیے ہوئے ہیں۔ فیاللعجب.

ان کی اکابر بیزاری کا باب وسیع اور طویل ہے، مزید نمونے اِن شاءاللہ پیش کیے جائیں گے۔

(جاری ہے۔۔۔)

مولانا مجیب الرحمٰن مدظلہم، ڈیرہ اسماعیل خان قسط:۴

مروان بن حکم اور اُس کے کارنامے

(۲)......حضرت طلحہ بن عبیداللہ رضی اللہ عنہ کا قتل:

مروان کے کارناموں میں سے ایک کارنامہ عشرہ مبشرہ کے عظیم فرد حضرت طلحہ بن عبیداللہ رضی اللہ عنہ کا قتل ہے، اس بارے میں روایات متعدد ہیں، بعض کا ذکر آپ (قاضی صاحب) نے بھی کیا ہے، اور علماء اسلاف کی تصریحات بھی بہت ہیں، اول بعض روایات درج کی جاتی ہیں.

۱۔الروایۃ الاولیٰ:

ابواسامہ کہتے ہیں کہ: مجھے اسماعیل بن ابی خالد نے بیان کیا، اسماعیل کہتے ہیں کہ ہمیں قیس (بن ابی حازم) نے بتایا: **رمٰی مروان بن الحکم یوم الجمل طلحة بسهم فی رکبته. [مصنف ابن ابی شیبة ح:۳۷۷۰۰، مجمع الزوائد ح:۱۴۸۲۲، رواہ الطبرانی، الطبقات الکبری لابن سعد :۱۶۷/۳]** جنگ جمل والے دن مروان بن حکم نے حضرت طلحہ رضی اللہ عنہ کو تیر مارا جو اُن کے گھٹنے میں لگا۔

اس روایت کے راوی:

(۱)......ابواسامہ حماد بن اسامہ صحاح ستہ کے راوی ہیں، ثقہ وثبت ہیں (تقریب التہذیب)

(۲)......اسماعیل بن ابی خالد احمسی صحاح ستہ کے راوی ہیں، ثقہ وثبت ہیں (تقریب)

(۳)......قیس بن ابی حازم بجلی کوفی بھی صحاح ستہ کے راوی ہیں، ثقہ ہیں، عشرہ مبشرہ سے روایت کرتے ہیں (تقریب) حضور ﷺ کی طرف سفر کیا تھا مگر آپ ﷺ کی وفات ہوگئی تب مدینہ طیبہ پہنچے، آپ کے نزدیک اس روایت کا یہی راوی مجروح ہے، جناب نے حدیث کلاب حوأب سے متعلق اپنے مضمون میں اِس پر کلام کیا ہے، ہم بھی حدیث کلاب حوأب کے مضمون میں اُس کا پورا جواب دے چکے ہیں۔

اس سند سے متعلق امام ھیثمی فرماتے ہیں کہ: اِس کو طبرانی نے روایت کیا ہے اور اِس کے راوی صحیح بخاری کے راوی ہیں۔ [مجمع الزوائد ح:۱۴۸۲۲] علامہ ابن حجر عسقلانی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ قیس بن ابی حازم کی روایت کی سند صحیح ہے۔ [الاصابہ:۲۲/۳] امام حاکم اور ذہبی رحمہما اللہ نے بھی صحیح قرار دیا ہے۔ [مستدرک:۴۱۸/۳، رقم:۵۵۹۱]

یاد رہے کہ قیس بن ابی حازم جنگ جمل میں شامل تھے اور انہوں نے اپنی آنکھوں کا مشاہدہ بیان کیا ہے۔ **رئیت مروان بن الحکم حین رمی طلحۃ یومئذ بسھم۔** [سیر اعلام النبلاء:۱/۳۶،الاصابۃ:۳/۴۳۲،المعجم الکبیر:۱/۱۱۳رقم:۲۰۱،المستدرک:۵۵۹۱]

۲۔الروایۃ الثانیۃ:

خلیفہ بن خیاط معاذ بن ہشام سے وہ ہشام سے وہ قتادہ سے روایت کرتے ہیں اور قتادہ جارود بن ابی سبرۃ سے روایت کرتے ہیں کہ: **نظر مروان بن الحکم إلی طلحۃ بن عبیداللہ یوم الجمل فقال لا أطلبُ بثأری بعدالیوم، فرماہ بسھم فقتلہ.** [تاریخ خلیفۃ بن خیاط: ۱۸۵،تاریخ ابن ابی خیثمۃ: ۲/۷۶،رقم:۱۸۰۰،قبول الاخبار ومعرفۃ الرجال:۱/۲۲۹،تالیف امام ابوالقاسم عبداللہ بن احمد کعبی بلخی م۳۱۹ھ] مروان نے جنگ جمل کے دن طلحہ بن عبیداللہ رضی اللہ عنہ کو دیکھا تو کہا آج کے دن کے بعد میں اپنے خون (خونِ عثمان) کا مطالبہ نہیں کروں گا (یا مجھ سے قصاص کا مطالبہ نہیں کیا جاسکے گا) پھر حضرت طلحہ کو تیر مار کر شہید کر دیا۔

اس روایت کے راوی:

(۱)......معاذ بن ہشام دستوائی بصری: سچے اور صحاح ستہ کے راوی ہیں،بعض اوقات وہم میں مبتلا ہو جاتے ہیں۔

(۲)......ہشام بن حسان ابوعبداللہ بصری: ثقہ ثبت اور صحاح ستہ کے راوی ہیں۔

(۳)......قتادہ بن دعامہ بصری بھی ثقہ وثبت اور صحاح ستہ کے راوی ہیں۔

(۴)......ابونوفل جارود بن ابی سبرۃ بصری بھی سچا ابوداؤد وغیرہ کا راوی ہے(تقریب التھذیب)

اور ابن ابی خیثمہ رحمہ اللہ کی روایت کے راوی:

(۱)......عمرو بن مرزوق　　(۲)......عمران القطان

(۳)......قتادہ　　(۴)......جارود بن ابی سبرہ ہذلی ہیں۔

علامہ ابن حجر عسقلانی رحمہ اللہ فرماتے ہیں اِس کی سند صحیح ہے۔[الاصابہ:۳/۴۳۲]

یہ روایت ابن ابی شیبہ میں بسند **وکیع عن اسماعیل بن ابی خالد عن قیس** بھی مروی ہے۔[ابن ابی شیبہ ح:۳۰۵۷۸] ابن ابی شیبہ کی یہ سند بھی بالکل صحیح ہے،راوی سارے ثقہ ہیں۔

۳۔الروایۃ الثالثۃ:

روح بن عبادہ ابن عون سے وہ نافع سے روایت کرتے ہیں: **کان مروان مع طلحۃ فی الخیل فرأی فرجۃ فی درع طلحۃ فرماہ بسھم فقتلہ.** [الطبقات الکبریٰ لابن

سعد :۱۶۷/۳] مروان لشکر میں حضرت طلحہ رضی اللہ عنہ کے ساتھ تھے، مروان نے حضرت طلحہ رضی اللہ عنہ کی ذرع میں (خلل) پھٹن دیکھی تو اُن کو تیر مار کر شہید کر دیا۔

اس سند کے راوی:

(۱)......روح بن عبادة بصری: ثقہ فاضل اور صحاح ستہ کے راوی ہیں۔

(۲)......عبداللہ بن عون بن ارطبان بصری: ثقہ ثبت فاضل صحاح ستہ کے راوی ہیں۔

(۳)......نافع، مولی عبداللہ بن عمر، ابوعبداللہ مدنی: صحاح ستہ کے راوی اور ثقہ ثبت مشہور فقیہ ہیں

معلوم ہوا کہ اِس سند کے راوی بھی ثقہ ہیں۔

۴_الروایة الرابعة:

حماد بن زید قرة بن خالد سے وہ امام محمد ابن سیرین سے روایت کرتے ہیں: **قال رمی طلحة بن عبیدالله بسهم فاصاب ثغرة نحره ،قال فاقرمروان انه رماه ،ان مروان اعتراف انه قتل طلحة. [الاستیعاب :۷۶۹/۲، تاریخ خلیفة بن خیاط :۱۸۵، السنة لابی بکربن الخلال ح:۸۴۰]** طلحہ بن عبیداللہ کو تیر مارا گیا تو وہ گلے کے سوراخ میں آ لگا، ابن سیرین کہتے ہیں کہ مروان نے اقرار کیا کہ وہ تیر اُس نے مارا تھا۔

اس سند کے راوی:

(۱)......حماد بن زید ازدی بصری: ثقہ ثبت فقیہ صحاح ستہ کے راوی ہیں۔

(۲)......قرہ بن خالد بصری: ثقہ وضبط کرنے والے صحاح ستہ کے راوی ہیں۔

(۳)......محمد بن سیرین بصری: ثقہ ثبت عابد صحاح ستہ کے راوی ہیں۔[تقریب التهذیب]

اس روایت کے الفاظ یوں بھی آئے ہیں: **انّ مروان اعترض طلحة لمّا جال النّاس بسهم فاصابه فقتله. [الطبقات الکبری لابن سعد: ۱۶۷/۳]** مروان نے تیر لے کر اُس وقت حضرت طلحہ رضی اللہ عنہ کا سامنا کیا جب لوگ اِدھر اُدھر منتشر ہوئے، اور اُن کو تیر مار کر شہید کر دیا۔

۵_الروایة الخامسة:

زہیر بن حرب کہتے ہیں کہ ہمیں وہب بن جریر نے بیان کیا، وہب کہتے ہیں ہمیں جویریہ بن اسماء نے بیان کیا، جویریہ کہتے ہیں ہمیں یحیٰ بن سعید (بن حیان) نے بیان کیا، وہ کہتے ہیں مجھے میرے چچا نے بیان کیا کہ ہم لوگوں کو جگہوں پر ٹھہرانے میں لگے تھے کہ: **اذرمی مروان بن الحکم بسهم طلحة بن عبیدالله..... و التفت إلی ابان بن عثمان وهوالی جنبه فقال قدکفیتُک احد قتلة ابیک. [تاریخ المدینة لابن شبة :۱۱۷۰/۴، سیراعلام النبلاء :۳۶/۱، تاریخ خلیفة بن**

خیاط: ۱۸۵] اچانک مروان نے حضرت طلحہ کو تیر مارا (وہ شہید ہوگئے)۔۔۔اور ابان بن عثمان کی طرف توجہ کر کے کہنے لگا تیرے باپ کے ایک قاتل کو قتل کر کے میں نے تیری کفایت کردی۔

اس روایت کے راوی:

(۱)......زہیر بن حرب بن شداد نسائی: ثقہ وثبت ہیں بخاری، مسلم، ابوداؤد، ابن ماجہ، نسائی کے راوی ہیں۔

(۲)......وہب بن جریر ابن حازم بصری: ثقہ اور صحاح ستہ کے راوی ہیں۔

(۳)......جویریہ بن اسماء بن عبید ضبعی بصری: ثقہ بخاری، مسلم، ابوداؤد، ابن ماجہ، نسائی کا راوی ہے۔

(۴)......یحیٰی بن سعید بن حیان تیمی: امام وثبت صحاح ستہ کے راوی ہیں۔

(۵)......یحیٰی کے چچا یزید بن حیان ثقہ ہیں۔ابوداؤد، مسلم، نسائی کے راوی ہیں، اور روایت کے الفاظ صاف بیان کرتے ہیں کہ یہ بھی عینی شاہد اور جنگ میں شریک لوگوں میں سے ہیں، تو یہ سند بھی بالکل صحیح ہے۔

۶۔الروایة السادسة:

امام محمد ابن سعد کہتے ہیں ہمیں موسی بن اسماعیل نے خبر دی وہ کہتے ہیں مجھے جویریہ بن اسماء نے نافع سے بیان کیا کہ نافع کہتے ہیں کہ: حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے گھر کے محاصرہ کے دن مروان کو سخت مار پڑی جس سے دونوں کان کچھ کٹ گئے...... جب حضرت عثمان شہید ہوگئے، اور طلحہ وزبیر وعائشہ رضی اللہ عنہم حضرت عثمان کے قصاص کے مطالبہ کے لیے بصرہ چلے، اُن کے ساتھ مروان بن حکم بھی چلا، تو اُس نے لڑائی میں خوب حصہ لیا۔ **فلمّا راٰی انکشاف النّاس نظر إلی طلحة بن عبیدالله واقفاً، فقال والله اِن دم عثمان الاعند هٰذا، هو کان اشد الناس علیه،......ففوّق له بسهم فرماه به فقتله.[الطبقات الکبرٰی :۲۸/۵]** جب لوگوں میں خلا دیکھا حضرت طلحہ بن عبیداللہ رضی اللہ عنہ کو کھڑے ہوئے دیکھا تو کہا: اللہ کی قسم! خون عثمان اِسی کے پاس ہے، یہی سب لوگوں میں سے حضرت عثمان کے خلاف سخت تھے، تو اُن کے لئے تیر برابر کیا اور اُنہیں تیر مار کر شہید کر دیا۔

اس سند کے راوی:

(۱)......موسی بن اسماعیل المنقری: ثقہ وثبت صحاح ستہ کے راوی ہیں۔

(۲)......جویریہ بن اسماء (۳)......اور نافع مولی ابن عمر رضی اللہ عنہما کا ذکر اوپر والی روایت میں گذر گیا۔وہ بھی بلا شک ثقہ ہیں، تو یہ سند بھی بالکل صحیح ہے۔

۷۔الروایة السابعة:

عکراش بن ذؤیب سے روایت ہے کہتے ہیں: **کنّا نقاتل علیّا مع طلحة ومعنا مروان**

فانهزمنافقال مروان لاادرک بثأری بعداليوم من طلحة ،قال فرمی بسهم فقتله. [اتحاف المهرة لابن حجر:۶/۳۶۴] ہم حضرت طلحہ رضی اللہ عنہ کے ساتھ ہوکر حضرت علی رضی اللہ عنہ سے لڑ رہے تھے ہمارے ساتھ مروان بھی تھا،ہمیں شکست ہوئی،تو مروان نے کہا آج کے بعد طلحہ سے اپنا (خون کا) بدلہ نہیں لے سکوں گا،تو اُس نے تیر مارا اور حضرت طلحہ رضی اللہ عنہ کو شہید کر دیا۔

امام حاکم کی اس روایت کی سند کے راوی:

(۱)......محمد بن یعقوب بن یوسف بن یعقوب الحافظ العدل نیشاپوری ابن الاخرم: حافظہ وسمجھ میں فاضل ابن الفاضل ہیں ،بہت بڑے محدث اور کتب حدیث کے مصنف ہیں۔[الروض الباسم فی تراجم شیوخ الحاکم:۲/۱۲۸۲]

(۲)......محمد بن اسحاق بن ابراہیم ثقفی: الامام الحافظ الثقۃ شیخ الاسلام محدث خراسان ہیں۔[رجال الحاکم:۲/۱۷۶]

(۳)......عباد بن الولید الغبری ابوبدر: ثقہ قرار دیئے گئے ہیں۔[الکاشف:۱/۵۳۲،رقم ۲۵۷۹]

ابن ابی حاتم نے کہا سچا راوی ہے۔[تہذیب التهذیب:۵/۱۰۸]

(۴)......حبان بن ہلال باہلی بصری: ثقہ وثبت راوی ہیں (تہذیب التہذیب ۲/۱۷۰)

(۵)......شریک بن الخطاب عنبری تمیمی بصری کو ابن حبان نے ثقات میں ذکر کیا،حاکم نے کہا شیخ ثقہ ہے اہل اہواز میں سے ہے۔[التذییل علی کتب الجرح والتعدیل]

(۶)......عتبہ بن صعصعہ بن الاحنف السعدی کو ابن حبان نے ثقات میں ذکر کیا ہے۔[الثقات: ۴۷۰۱]اور کسی سے جرح منقول نہیں۔

(۷)......عکراش بن ذؤیب تمیمی رضی اللہ عنہ صحابی ہیں،تو یہ روایت بھی بالکل صحیح سند والی ہے، اور حضرت عکراش رضی اللہ عنہ بھی عینی شاہد ہیں۔

۸۔الرواية الثامنة:

ابن عون نافع مولی ابن عمر رحمہ اللہ سے روایت کرتے ہیں کہ نافع رحمہ اللہ نے فرمایا: **قال نافع طلحة بن عبيدالله قتله مروان بن الحكم. [اتحاف المهرة لابن حجر:۶/۳۶۴]** کہ حضرت طلحہ رضی اللہ عنہ کو مروان بن حکم نے شہید کیا۔

اس روایت کے راوی:

(۱)......ابوالعباس احمد بن عمر بن سریج قاضی بغدادی (م۳۰۶ھ) الامام العلامہ شیخ الاسلام ہیں۔[تذکرۃ الحفاظ:۳/۲۳]

(۲)......عباس بن محمد الدوری (م ۲۷۱ھ) الحافظ الامام ہے۔[تذکرۃ الحفاظ:۱۱۹/۲]

(۳)......اشہل بن حاتم ابوحاتم بصری (م۲۰۸ھ) ازدی کہتے ہیں: حافظ وسچا راوی ہے۔ [**ذکر اسم کل صحابی ممن لااخ لہٗ یوافق اسمہ**، رقم:۱۷] ابوداؤد نے بھی سچا کہا ہے۔[اکمال تہذیب الکمال] بخاری مسلم کے نزدیک اس کی روایت صحیح ہے۔[**ذکر التابعین و من بعدھم ممن صحت روایتہ عن الثقات عندالبخاری ومسلم**، رقم:۱۱۸] ابوزرعہ کہتے ہیں: اس کا محل سچائی ہے، لیکن قوی نہیں، یہ حسن درجے کا راوی ہے، متابعت میں تو حرج نہیں۔

(۴)......عبداللہ ابن عون بن ارطبان بصری (م ۱۵۱ھ) الامام القدوۃ عالم البصرۃ الحافظ ہے۔ [سیر اعلام النبلاء:۳۶۴/۶]

(۵)......نافع مولی ابن عمر کا حال بیان ہوگیا ہے، تو یہ روایت بھی حسن درجہ کی ہے۔

۹۔الروایۃ التاسعۃ:

عبداللہ بن عمرو کہتے ہیں مجھے محمد بن حمران نے قرہ بن خالد سے روایت کرتے ہوئے خبردی، قرہ نے کہا کہ مجھے نافع نے بیان کیا: "**رمی مروان یوم الجمل طلحۃ بسھم فاثبتہ فی ثغرۃ نحرہٖ" الخ [تاریخ المدینۃ لابن شبۃ: ۱۱۷۰/۴]** جنگ جمل کے دن مروان نے حضرت طلحہ رضی اللہ عنہ کو تیر مارا، اُس کے گلے کے سوراخ میں گھسا دیا۔

اس روایت کے راوی:

(۱)......عبداللہ بن عمرو امام عمر بن شبۃ کے استاذ محدث ہیں، صحیح نام عبیداللہ بن عمرو القواریری ہے، امام عبداللہ بن احمد اور ابویعلی موصلی وابوالقاسم البغوی وعجلی بھی اُن کے شاگردوں میں سے ہیں، امام احمد وعلی بن الجعد رحمہم اللہ کے ہم عصر ہیں۔

(۲)......محمد بن حمران بن عبدالعزیز قیسی بصری سچے راوی ہیں البتہ اس میں معمولی ڈھیلا پن ہے۔نسائی، ترمذی وغیرہ کے راوی ہیں۔[تقریب]

(۳)......قرہ بن خالد اور (۴)......نافع مولی ابن عمر کا اوپر ذکر ہوگیا۔

۱۰۔الروایۃ العاشرۃ:

امام ابن عساکر بسند ابوالقاسم بن السمرقندی، ابوالفضل بن البقال، ابوالحسین بن بشران، عثمان بن احمد، حنبل بن اسحاق، حمیدی، سفیان، عن عبدالملک بن مروان روایت کرتے ہیں کہ موسیٰ بن طلحہ ولید بن عبدالملک کے پاس داخل ہوئے، تو اُس کو ولید نے کہا "**مادخلت علیّ قط الاھممت بقتلک لولا انّ ابی اخبرنی ان مروان قتل طلحۃ." [تاریخ دمشق لابن عساکر، کتاب**

النوادر للحمیدی، تہذیب التہذیب :۲۲/۵] جب بھی تو میرے پاس آیا میں نے تیرے قتل کا ارادہ کیا (اور قتل کر دیتا) اگر میرے والد نے مجھے نہ بتایا ہوتا کہ مروان نے طلحہ کو قتل کیا۔

اس روایت کے راوی:

(۱)......ابوالقاسم اسماعیل بن السمرقندی ابن عساکر کے استاذ اور بہت بڑے محدث ہیں۔

(۲)......ابوالفضل بن البقال المقری عمر بن عبیداللہ بن عمر بغدادی، سنہ ۳۹۵ھ کو پیدا ہوئے، یہ بھی مقریء ہونے کے ساتھ ساتھ بڑے محدثین میں سے ہیں۔ (تاریخ الاسلام ذہبی ۵۸/۳۲، تاریخ بغداد ۷۶/۲۰)

(۳)......ابوالحسین علی بن بشران: ثقہ وعادل وامین تھے۔ [اکمال الاکمال]

(۴)......عثمان بن احمد بن السماك: الشیخ الامام المحدث ہے۔

(۵)......حنبل بن اسحاق بن حنبل: امام احمد کے چچازاد بھائی اور شاگرد الحافظ ثقہ وثبت ہیں۔

(۶)......امام حمیدی جانے پہچانے محدث عظیم اور امام بخاری کے عظیم استاذ ہیں، جن کی ثقاہت شک سے بالا ہے۔

(۷)......سفیان بن عیینہ بھی ثقہ اور عظیم امام فقیہ ہیں۔

(۸)......عبدالملک بن مروان، اگر یہ مروان بن حکم کا والد ہو تو وہ کچھ بھی ہو جناب کے نزدیک ثقہ ہے، اور اگر عبدالملک بن مروان بن الحارث بن ابی ذباب ہو تو ابن حبان نے اُس کو ثقات میں ذکر کیا ہے، اور اگر عبدالملک بن مروان بن قارظ اہوازی ہو تو بھی ابن حبان نے اُس کو ثقات میں ذکر کیا، اور اُس کو مستقیم الحدیث (ٹھیک حدیث والا) کہا گیا ہے۔ [**تہذیب التہذیب**]

۱۱۔الروایۃ الحادیۃ عشر:

امام محمد بن احمد بن تمیم افریقی (م ۳۳۳ھ) رحمہ اللہ فرماتے ہیں: مجھے محمد بن علی بن الحسن نے بیان کیا، وہ کہتے ہیں: مجھے محمد بن علی دغشی نے اسماعیل بن ابان سے، انہوں نے یزید بن ابی زیاد سے روایت بیان کی، کہا کہ: ہمیں عبدالرحمٰن بن ابی لیلی نے بیان کیا کہ: میں نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے سنا وہ جنگ جمل کے دن فرما رہے تھے زبیر کہاں ہے؟ تو میں سواریوں کے بیچ گھسنا شروع ہوا حتی کہ میں نے دونوں حضرات کو دیکھ لیا دونوں کی سواریوں کی گردنیں مل رہی تھیں اور حضرت علی رضی اللہ عنہ فرما رہے تھے آپ کو وہ بات یاد ہے؟ وہ واقعہ یاد ہے؟ تو (اُن باتوں کو سن کر) حضرت زبیر رضی اللہ عنہ لوٹتے ہوئے واپس پھرے تو حضرت طلحہ رضی اللہ عنہ نے پوچھا کہ حضرت زبیر رضی اللہ عنہ کو کیا ہوا؟ تو لوگوں نے خبر دی تو وہ سواری پر سوار ہوئے تاکہ اُنہیں رخصت کریں تو اُسی حالت میں اُن کو

مروان بن حکم نے تیر مارا اور شہید کر دیا۔[المحن صفحہ:۱۱۵]

اس روایت کے راوی:

(۱)......امام ابوالعرب محمد بن احمد بن تمیم افریقی: علامہ مفتی ذوالفنون حافظ مؤرخ بہت بڑے محدث ہیں۔[سیر اعلام النبلاء:۳۹۴/۱۵،تذکرۃ الحفاظ:۷/۳]

(۲)......ابوبکر محمد بن علی بن الحسن بن علی تمیمی (م۴۵۹ھ یا۴۶۰ھ): بہت بڑے لغت کے امام ہیں۔[تاریخ الاسلام ذہبی:۱۳۳/۱۰]

(۳)......محمد بن علی دغشی افریقی: علماء افریقہ میں سے ہیں، ابوالعرب نے طبقات علماء افریقہ [۹۹/۱] میں اُن کا ذکر کیا ہے، اور فرمایا اُس کی حدیث سے دلیل لی جاتی ہے۔

(۴)......اسماعیل بن ابان الوراق کوفی (م۲۱۰ھ) ثقہ ہے، یہاں سند میں اسماعیل بن ابان عن یزید بن ابی زیاد ہے، لیکن درست یہ لگتا ہے کہ درمیان میں مسعود بن سعد جعفی کوفی راوی متروک ہو گیا ہے، کیوں کہ اسماعیل براہ راست یزید بن ابی زیاد سے روایت کرنے والا نہیں ہے، اگر ایسا ہو تو مسعود جعفی ثقہ راوی ہے۔[مسند ابویعلی میں ایک روایت کی سند ہے اسماعیل بن ابان حدثنی مسعود بن سعد عن یزید بن ابی زیاد عن عبدالرحمٰن بن ابی لیلی (۱۶۸۴)]

(۵) یزید بن ابی زیاد ابوعبداللہ ہاشمی کوفی مولی عبداللہ بن الحارث (م۱۳۶ھ) مسلم وسنن اربعہ کا راوی ہے، الامام المحدث ہے صغار تابعین میں اُس کا شمار ہوتا ہے، امام ترمذی نے اُس کی روایت کو حسن قرار دیا، عجلی نے اُس کو ثقات میں درج کیا اور کہتے ہیں ثقہ وجائز الحدیث ہے (اس کی حدیث درست ہوتی ہے) آخر عمر میں اُس کو تلقین کی جاتی تھی۔[الثقات للعجلی: ۳۶۴/۲، سیر اعلام النبلاء:۱۲۹/۶،۱۳۰] امام ہیثمی اس کو حسن الحدیث کہتے ہیں۔[مجمع الزوائد:۲۵۸/۸] جریر کہتے ہیں عطاء بن السائب سے بڑھ کر حدیث یاد رکھنے والا ہے۔[التاریخ الاوسط للبخاری:۴۱/۲]، ابوداؤد کہتے ہیں میرے علم میں کوئی ایسا محدث نہیں جس نے اُس کی حدیث چھوڑ دی ہو۔[تہذیب الکمال] ابن حبان کہتے ہیں سچا راوی ہے مگر جب بڑی عمر کا ہوا حافظہ خراب اور تبدیل ہو گیا تو اُس کو تلقین کی جاتی تو دوسروں کی تلقین سے اُس کی حدیث میں منکر روایتیں داخل ہو گئیں، شروع عمر میں اور کوفہ داخل ہونے سے پہلے جس نے اُس سے سماع کیا وہ صحیح ہے۔[المجروحین:۹۹/۳] ابن سعد کہتے ہیں: بذات خود ثقہ تھا لیکن آخر عمر میں اختلاط میں مبتلا ہوا تو عجیب روایات نقل کیں۔[الطبقات:۳۴۰/۶] یعقوب بن سفیان کہتے ہیں کہ: اگرچہ تغیر کے سبب محدثین یزید میں کلام کرتے ہیں، لیکن وہ عادل وثقہ ہے اگرچہ حکم ومنصور کے برابر نہیں۔ احمد بن صالح کہتے ہیں: ثقہ ہے اور جو اُس میں کلام کرتے ہیں مجھے اُن کا قول پسند نہیں۔[تہذیب التہذیب :۳۲۹/۱۱، تاریخ

اسماء الثقات لابن شاہین: ۲۵۶/۱] ذہبی کہتے ہیں: شیعی عالم ہے، فہم حدیث رکھنے والا سچا ہے، حافظہ کا ردی ہے، لیکن متروک نہیں۔ [الکاشف: ۳۸۲/۲] کئی محدثین نے اِس میں کلام بھی کی ہے، چوں کہ امام مسلم نے شواہد میں اُس کی روایت لی ہے اس لیے بطور شاہد اُس کی روایت لی جاسکتی ہے۔

(۶)......عبدالرحمٰن بن ابی لیلی انصاری کوفی اکابر تابعین میں سے ہے، حضرت علی رضی اللہ عنہ سے سماع کیا ہے، جنگ جمل میں بھی شریک رہا ہے، سنہ ۸۳ھ یا سنہ ۸۱ھ میں شہید ہوا ہے، حجاج بن یوسف نے اِس کو قاضی بنایا تھا، پھر معزول کیا اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کو برا کہنے کے لئے پٹائی کی تو ابن ابی لیلی توریہ سے کام لیتے اور صاف حضرت علی رضی اللہ عنہ کو گالی نہ دیتے تھے۔ [تذکرۃ الحفاظ: ۴۷/۱] ایک سو بیس انصار صحابہ کی زیارت سے مشرف ہوئے ہیں، کسی محدث سے اُس میں کلام منقول نہیں۔ [تہذیب التہذیب] تو یہ روایت حسن درجہ کی ہے۔ اور عبدالرحمٰن بن ابی لیلی جنگ جمل میں شریک لوگوں میں سے ہیں۔

اِن صحیح وحسن سند والی روایتوں کے علاوہ دوسری روایات بھی متعدد سندوں سے منقول ہیں اگر وہ ساری ضعیف بھی ہوں تو حرج نہیں کیوں کہ یہ صحیح السند اُن کی تائید کرتی ہیں، اور ضعیف سند والی روایات بطور شاہد ہوں گی۔

بعض اسلاف کی عبارات:

امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ (م ۲۴۱ھ) فرماتے ہیں:

وھٰذا طلحة بن عبيدالله انتزع له مروان سهماً وهومعهم واقف يوم الجمل فى الصف وقال لا اطلب بدم عثمان احدا غيرک، فرماه بسهم فقتله. [الجامع لعلوم الامام احمد، العقيدة: ۳۴۱/۴] طلحہ بن عبیداللہ رضی اللہ عنہ کے لیے مروان نے تیر سیدھا کیا حالانکہ جنگ جمل کے دن وہ اُنہی کے ساتھ صف میں کھڑے تھے، اور کہا تیرے سوا میں کسی سے خون عثمان نہیں مانگتا، پھر تیر مارا اور شہید کر دیا۔

علامہ ذہبی رحمہ اللہ یحییٰ بن بکیر اور خلیفہ بن خیاط اور ابونصر کلاباذی رحمہم اللہ سے نقل کرتے ہیں:

قال يحيى بن بكير وخليفة بن خياط وابونصر الكلاباذى ان الذى قتل طلحة مروان بن الحكم. [تاريخ الاسلام للذهبى: ۲۰۰/۳] کہ جس نے حضرت طلحہ رضی اللہ عنہ کو قتل کیا وہ مروان بن حکم ہے۔

علامہ ابن الجوزی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

حضر طلحة يوم الجمل، فرماه مروان بن الحكم، فاصاب ساقه. [المنتظم: ۱۱۴/۵] حضرت طلحہ جنگ جمل کے دن حاضر ہوئے تو اُس کو مروان بن حکم نے تیر مارا جو اُن کی پنڈلی میں لگا۔

علامہ ابن عبدالبر رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

قال ابن عبدالبر ولایختلف العلماء الثقات فی ان مروان قتل طلحة یومئذ وکان فی حزبه. [**الاستیعاب باب طلحة**:۱۰۳/۲] ثقہ علماء کا اِس میں اختلاف نہیں (اتفاق ہے) کہ جنگ جمل کے دن مروان نے حضرت طلحہ رضی اللہ عنہ کو قتل کیا جب کہ حضرت طلحہ اُنہی کے گروہ میں تھے۔

امام ابن حبان رحمہ اللہ حضرت طلحہ رضی اللہ عنہ کے تذکرہ میں فرماتے ہیں:

قتله مروان بن الحکم بسهم رماه. [**کتاب الثقات** :۳۳۹/۲] حضرت طلحہ رضی اللہ عنہ کو مروان بن حکم نے تیر مار کر شہید کیا۔

اِن کے علاوہ جن علماء اسلاف نے **قِیْلَ یُقَالُ** کے بغیر مروان بن حکم کو ہی حضرت طلحہ رضی اللہ عنہ کا قاتل بیان کیا یا اِسی قول کو اصح قرار دیا درج ذیل ہیں:

(۱) سبط ابن الجوزی (م، ھ) [مرأۃ الزمان فی تواریخ الاعیان: ۲۴۷/۶]

(۲) ہشام [مرأۃ الزمان]

(۳) بلاذری احمد بن یحییٰ بن جابر (م ۲۷۹ھ) [جمل من انساب الاشراف: ۲۴۷/۲]

(۴) شیخ موفق [مرأۃ الزمان]

(۵) یوسف بن تغری بن بردی ابوالمحاسن (م ۸۷۴ھ) [**النجوم الزاهرة فی ملوک مصر والقاهرة**: ۱۰۱/۱، **موردا للطافة فیمن ولی السلطنة والخلافة**: ۵۶/۱]

(۶) عبداللہ بن مسلم بن قتیبہ دینوری (م ۲۷۶ھ) [المعارف: ۲۲۷]

(۷) مطہر بن طاہر مقدسی (م ۳۵۵ھ) [البدء والتاریخ: ۸۱/۵]

(۸) علامہ شمس الدین محمد بن احمد ذہبی (م ۷۴۸ھ) [تاریخ الاسلام: ۵۲۲/۳، ۵۲۷، ذکر طلحة بن عبیدالله، العبر فی خبر من غبر: ۲۷/۱، سیراعلام النبلاء]

(۹) علامہ عبدالحی بن احمد عکری حنبلی (م ۱۰۸۹ھ) [شذرات الذھب فی اخبار من ذھب: ۲۷۹/۱ سنۃ احدی وستین]

(۱۰) عبدالملک بن حسین بن عبدالملک عصامی مکی (م ۱۱۱۱ھ) [**سمط النجوم العوالی فی انباء الاوائل والتوالی**: ۵۷/۲]

(۱۱) امام محمد بن احمد بن تمیم تمیمی افریقی (م ۳۳۳ھ) [**المحن**: ۱۰۷]

(۱۲) امام محمد ابن جریر طبری (م ۳۱۰ھ) [تاریخ الطبری: ۵۰۷/۱۱ **ممن قتل فی سنة ستة وثلاثین**]

(۱۳) امام تقی الدین محمد بن احمد فاسی مکی (م ۸۳۲ھ) [العقد الثمین فی تاریخ البلد الامین:

۵۵/۶،۲۹۸/۴]

(۱۴)امام احمد بن محمد بن الحسین ابونصر بخاری کلاباذی (م۳۹۸ھ)[**الهداية والرشاد في معرفة اهل الثقة والسداد: ۱/۱/۲۷۱،و منهم من اسمه طلحة**]

(۱۵)امام یوسف بن عبداللہ ابن عبدالبر(م۴۶۳ھ)[**الاستيعاب: ۷۶۶/۲ ذكر طلحة**]

(۱۶)امام ابوالحسن علی بن ابی الکرم ابن الاثیر(م۶۳۰ھ)[اسد الغابہ:۴۶۹/۲]

(۱۷)ابوالقاسم علی بن الحسن ابن عساکر(م۵۷۱ھ)[مختصر تاریخ دمشق:۲۰۷/۱۱]

(۱۸)علامہ شمس الدین محمد بن عبدالرحمٰن سخاوی(م۹۰۲ھ)[**التحفة اللطيفة في تاريخ المدينة الشريفة: ۴۷۲/۱**]

(۱۹)علامہ احمد بن علی ابن حجر عسقلانی(م۸۵۲ھ)[الاصابہ:۴۳۲/۳، فتح الباری:۴۴۳/۱]

(۲۰) الشیخ عبدالرزاق عفیفی (م۱۴۱۵ھ)[مذکرۃ التوحید:۱۷/۱،فتاوی ورسائل للعفیفی:۳۳۱/۱]

(۲۱)علامہ ابن الملقن عمر بن علی بن احمد مصری(م۸۰۴ھ)[التوضیح لشرح الجامع الصحیح: ۴۶۵/۱۸]

(۲۲)عمادالدین اسماعیل بن علی بن محمود(م۷۳۲ھ)[المختصر فی اخبار البشر:۱۷۴/۱]

(۲۳)علامہ عمر بن مظفر بن عمر المعری الکندی(م۷۴۹ھ)[تاریخ ابن الوردی:۱۴۹/۱]

(۲۴)امام محمد بن ابی بکر بن عبداللہ بن موسیٰ انصاری البُرّی(م۶۴۵ھ)[الجوهرة في نسب النبي واصحابه العشرة:۳۱۷/۲]

(۲۵)امام احمد بن عبداللہ عجلی(م۲۶۱ھ)[الثقات:۳۴۸]

(۲۶)الشیخ عبدالعزیز پرہاروی رحمہ اللہ[**الناهية صفحه: ۸۴**]

ہمارے خیال میں فی الحال اتنی تعداد کا ذکر کافی ہے، بشرطیکہ آپ ضد پر نہ اڑیں، ورنہ سینکڑوں حوالے اور نام بھی ناکافی ہیں۔اِس کے بعد آپ کی انوکھی تحقیق کی کیا حیثیت رہ جاتی ہے! جناب عالی! مروان کی صفائی میں زور صرف کیجیے، مگر اُس کو ایسے واقعی ثابت جرم سے پاک ثابت کرنا آپ کے بس کا کام نہیں ہے، یہ شیعہ لوگوں کا پروپیگنڈا نہیں ہے، نہ افواہ ہے، بلکہ حقیقت اور صرف حقیقت ہے، امر واقعی جناب کے انکار سے افسانہ اور خرافات نہیں بن سکتا، خوامخواہ جناب اپنے اوقات بے جا صرف کر رہے ہیں.

اگر بالفرض مروان صحابی ہو تو اگر حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ[مسند احمد:۶۳۸۲] یا اسامہ بن زید[ابوداؤد :۲۶۴۳ ، مسند احمد:۲۱۸۰۲،ابن ابی شیبہ:۲۸۹۳۲] کے ہاتھوں ایک کلمہ گو مسلمان کا قتل امر واقعی ہے اور ہو سکتا ہے، تو مروان کے ہاتھوں حضرت طلحہ رضی اللہ عنہ کا قتل بھی امر واقعی ہے، اُس سے

ایسا جرم کیوں نہیں ہوسکتا؟ کیا وہ نبوت یا صفت ملکیت (فرشتہ ہونے) سے موصوف ہے؟ لہٰذا جناب کے انکار کرنے سے وہ صاف نہیں ہو جاتا!

ایک اشکال:

آپ کا اشکال ہے کہ اگر مروان حضرت طلحہ رضی اللہ عنہ کا قاتل ہے تو جنگ صفین کے موقع پر حضرت حسن و حسین رضی اللہ عنہما کی سفارش پر حضرت علی رضی اللہ عنہ نے اُن کو کیوں چھوڑ دیا؟ اور قصاص کیوں نہ لیا؟ [سیدنا مروان بن الحکم: ۳۹۱]

عرض ہے کہ اِس اشکال کا کوئی خاص وزن نہیں ہے، کیوں کہ زمانہ فتنہ میں ایسے واقعات ہو جاتے ہیں اور کسی مظلوم مقتول کے قاتل کا علم ہو جانے کے بعد بھی اُس سے قصاص نہیں لیا جاتا بلکہ اس کا معاملہ اللہ تعالی پر چھوڑ دیا جاتا ہے، اگر آپ کو تسلی نہیں ہوتی تو بتائیں کہ ابن جرموز نے تو خود حاضر ہو کر حضرت زبیر رضی اللہ عنہ کے قتل کے جرم کا اقرار کیا ہے، کیا جناب یہ بات ثابت کر سکتے ہیں کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ یا کسی اور نے اُس سے قصاص لیا ہے؟ اِن جنگوں میں اور بھی تو بکثرت مقتولین و قاتلین ہیں، کیا کسی قاتل سے کسی مقتول کا قصاص لیا جانا ثابت کر سکتے ہیں؟ نہیں تو پھر یہ اشکال بے کار ہے۔ عقلی سوالات، نقلی بات کے رد کے لیے کافی نہیں ہوتے نقل کے مقابلہ میں ذرا نقل پیش کر دیجیے کہ مروان بن حکم حضرت طلحہ رضی اللہ عنہ کا قاتل نہیں ہے، ہاں قاضی ابوبکر ابن العربی اور العواصم کے محقق کا بیان بھی [سیدنا مروان بن الحکم: ۳۸۸] مروان کی صفائی میں محض عقلی ہے جس میں جان نہیں ہے، ہم نے ثقہ راویوں کی روایات سے ثبوت دے دیا، پھر یہ کہنا کیا وزن رکھتا ہے کہ: ''جی! کسی ثقہ راوی نے اِس کو روایت نہیں کیا ہے۔''؟

دوسرا اشکال:

آپ جناب کہتے ہیں:

''اس کے برعکس طبقات ابن سعد کی ایک روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت طلحہ کا قاتل حضرت علی کا لشکری تھا، ربعی بن حراش کہتے ہیں کہ میں حضرت علی کے پاس بیٹھا ہوا تھا کہ حضرت طلحہ کے بیٹے عمران آئے اور سلام عرض کیا، حضرت علی نے اُنہیں مرحبا کہا تو وہ کہنے لگے: یا امیر المؤمنین! آپ مجھے خوش آمدید کہتے ہیں: **''وقد قتلت والدی واخذت مالی''** حالاں کہ آپ نے میرے والد (طلحہ) کو قتل کر دیا اور میرا مال بھی قبضہ میں لے لیا ہے، حضرت علی نے جواباً فرمایا: تمہارا مال بیت المال میں محفوظ ہے، کل آ کر اپنا مال وصول کر لینا، اور جہاں تک تمہارے اس قول کا تعلق ہے کہ آپ کے والد کو میں نے قتل کیا ہے تو مجھے امید ہے کہ تمہارے والد اور میں آخرت میں ان لوگوں میں سے ہوں گے جن کے بارے میں اللہ تعالی نے فرمایا ہے: **ونزعنا ما فی صدورهم من غل اخوانا علی سرر متقابلین**

[**الحجر**: ۴۷] مومنوں کے دلوں میں سے ہم میل کو دور کر دیں گے، اور وہ بھائیوں کی طرح ایک دوسرے کے سامنے تخت نشین ہوں گے۔[طبقات ابن سعد:۱۶۰/۳ تحت طلحہ بن عبید اللہ]'' [سیدنا مروان:۳۸۹]

جواب:

تو اس بارے میں کئی باتیں پیش نظر ہونا ضروری ہیں:

اول: یہ روایت متعدد کتابوں میں ہے، اکثر کتابوں میں صرف اتنی بات ہے کہ جب حضرت طلحہ رضی اللہ عنہ کے بیٹے حاضر خدمت ہوئے حضرت علی رضی اللہ عنہ نے اُن کو مرحبا کہا اور مجلس میں اپنے قریب بٹھایا اور فرمایا مجھے امید ہے کہ میں اور تمہارا والد اُن لوگوں میں سے ہوں گے جن کے متعلق ارشاد خداوندی ہے: ''اور اُن کے دلوں میں جو میل ہے ہم نکال دیں گے وہ تختوں پر آمنے سامنے بیٹھے ہوں گے۔''

اِن روایتوں میں اُس بیٹے کی طرف سے کچھ کہنا ذکر نہیں ہے، یہ روایتیں ابوحبیبہ مولی طلحہ اور خود عمران بن طلحہ سے اور عطیہ عوفی اور حارث الاعور ہمدانی اور ابوحمیدۃ علی بن عبداللہ ظاعنی سے مروی ہیں، ابوحبیبہ اور حارث اعور عین موقع کے چشم دید گواہ ہیں، اور عمران بن طلحہ خود صاحب واقعہ ہیں، دیکھیں **فضائل الصحابۃ امام احمدبن حنبل**:۷۴۶/۲،رقم:۲۹۵، **مستدرک**:۴۲۴/۳، **رقم**:۵۶۱۳، **المعجم الاوسط طبرانی** :۲۵۲/۱، **السنن الکبری للبیہقی** :۳۰۰/۸، **رقم** ۱۶۷۱۵، **الشریعۃ للآجری** :۲۵۲۸/۵،**المحن لمحمد بن احمد بن تمیم تمیمی افریقی** (م۳۳۳ھ)**صفحہ**:۱۱۲، **الطبقات الکبری لابن سعد** :۱۶۸/۳، **تاریخ دمشق لابن عساکر** :۱۱۶/۲۵، ۱۱۸،۱۱۹۔ اِن روایتوں کی اکثر سندوں کی بندہ نے چھان بین کی تو راوی ثقہ اور سچے معلوم ہوئے ہیں، یہاں اُن سندوں پر بحث سے گریز کیا جاتا ہے، کیوں کہ تفصیل طویل ہوجائے گی، درج بالا حوالوں میں سندوں کو دیکھ لیجیے!

اور ایک روایت میں یہ مکالمہ ذکر ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے مرحبا کہا اور عمران بن طلحہ نے کہا کہ: آپ مجھے مرحبا کہتے ہیں، حالانکہ آپ نے میرے والد کو قتل کیا، یہ روایت ربعی بن حراش سے نقل ہے،**مستدرک**:۳۸۵/۲، **رقم** :۳۳۴۸، **الطبقات الکبری**:۱۶۹/۳، **تاریخ دمشق لابن عساکر**:۱۱۸/۲۵

اس روایت کے راوی ابان بن عبداللہ بجلی کوفی کو اگر چہ کئی محدثین سچا اور ثقہ کہتے ہیں لیکن نسائی فرماتے ہیں: قوی نہیں ہے، عقیلی نے بھی اُس کو ضعیف راویوں میں درج کیا ہے۔[**الضعفاء للعقیلی**: ۴۲/۱، رقم ۲۶] ابن حبان فرماتے ہیں: فحش غلطیاں کرنے والا ہے اور کئی منکر روایات بیان کرنے میں منفرد (اکیلا) ہے۔[**المجروحین لابن حبان**: ۹۹/۱،رقم:۶،**الضعفاء والمتروکون لابن**

الجوزی: ۱/۱۷۱، رقم:۱۱] ذہبی فرماتے ہیں: اِس کی کئی منکر روایتیں ہیں۔[**المغنی: ۱/۷، رقم:۹]**
یہ روایت بھی اُس کی منکرات میں سے معلوم ہوتی ہے۔

اور ایک راوی ابونعیم فضل بن دکین **تیمی طلحی** (م۲۱۹ھ) ہے، آپ کے اُصول کے مطابق اُس کی روایت کو حجت بنانا درست نہیں کیوں کہ فضل بن دکین گو ثقہ ہے مگر اس میں تشیع ہے۔[سیر اعلام النبلاء: ۱۰/۱۵۱، میزان الاعتدال: ۳/۳۵۰] عمر بن رضا کحالہ لکھتے ہیں: **کان امامیا** امامی تھا۔[**معجم المؤلفین: ۸/۶۷۔بحوالہ اعیان الشیعۃ: ۴۲/۲۷۵]**

پھر اس روایت کے متن میں بعض حضرات نے لفظ یوں نقل کیے ہیں:

اترحب بی وقدقاتلتَ والدی. [کنز الدرر وجامع الغرر: ۳/۳۳۳، تالیف ابوبکر بن عبداللہ بن ایبک الدواداری م بعد ۷۳۶ھ] کیا آپ مجھے مرحبا کہتے ہیں حالاں کہ آپ میرے والد سے لڑے ہیں؟

اور یہ بات بظاہر درست ہے، کیوں کہ صورت قتال کی پیش آئی ہے، اگر چہ مقصود دونوں حضرات کا باہم لڑنا نہیں تھا۔ اس لیے ممکن ہے کہ راویوں سے صحیح مفہوم ادا نہ ہو سکا۔ تو اگر الفاظ [**قاتلتَ**] درست ہوں تو آپ کی ہرگز دلیل نہیں بنتی کیوں کہ اِس سے قاتل کا حضرت علی رضی اللہ عنہ کے گروہ میں سے ہونا ثابت نہیں ہوتا۔

ایک اور اشکال:

ممکن ہے کہ کسی محقق کو ایک اور روایت سے بھی اشکال ہو جائے کہ مروان حضرت طلحہ رضی اللہ عنہ کا قاتل نہیں کوئی اور شخص قاتل تھا، وہ روایت یہ ہے: **قال اخبرنا عبداللہ بن جعفر الرقی قال اخبرنا عبداللہ (عبیداللہ) بن عمرو عن زید بن ابی انیسۃ عن محمد الانصاری عن ابیہ قال جاء رجل یوم الجمل فقال ائذنوا لقاتل طلحۃ قال فسمعت علیاً یقول بشّرہ بالنّار[الطبقات الکبری: ۳/۱۶۹]** عبداللہ بن المثنی سے نقل ہے کہ ایک آدمی جنگ جمل کے دن آیا اور (حضرت علی رضی اللہ عنہ کے پاس حاضر ہونے کے لیے) کہنے لگا طلحہ کے قاتل کو اجازت دو، تو میں نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو یہ کہتے ہوئے سنا کہ اُس کو دوزخ کی خبر دے دو!

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت طلحہ کا قاتل کوئی اور شخص تھا اور وہ قتل کا اقراری مجرم تھا، اور وہ مروان نہیں تھا۔

جواب یہ ہے کہ اس قصہ کا راوی عبداللہ بن المثنی بن عبداللہ انصاری ہے جس کے متعلق زکریا ساجی کہتے ہیں: اس میں ضعف ہے، صاحب حدیث نہیں تھا۔ ازدی کہتے ہیں: اس نے بہت سی منکر روایات

بیان کی ہیں۔امام عقیلی نے اُس کوضعفاء میں درج کیا ہے۔ابوسلمہ تبوذکی کہتے ہیں: ضعیف ومنکرالحدیث ہے۔امام نسائی کہتے ہیں:قوی نہیں ہے۔امام ابن معین ایک قول میں فرماتے ہیں: بے حیثیت ہے، **لیس بشیء.** [**میزان الاعتدال** :۴۹۹/۲،۵۰۰] ابن جوزی نے اُس کوضعفاء ومتروک راویوں میں درج کیا ہے۔[**الضعفاء والمتروکون**:۱۳۷/۲] دارقطنی ایک قول میں کہتے ہیں:قوی نہیں ہے۔موصلی کہتے ہیں: منکرروایات نقل کرتا ہے۔[تنقیح التحقیق لابن عبدالہادی:۲۷۷/۳،نصب الرایہ:۴۸۰/۲] علامہ ابن الترکمانی کہتے ہیں:متکلم فیہ ہے۔[الجوھرالنقی:۸۹/۴] ابن عبدالہادی کہتے ہیں:قوی نہیں ہے۔[المحرر فی الحدیث:۳۰۰/۱] علامہ مناوی کہتے ہیں:ضعیف ہے۔[فیض القدیر:۱۶۷/۳] علامہ ابن حجر رحمہ اللہ ایک حدیث پر بحث میں فرماتے ہیں: **فھٰذامن الشیوخ الذین اذا انفرد احدھم بالحدیث لم یکن حجة.**[**فتح الباری** :۵۹۵/۹] عبداللہ بن المثنی بخاری کے اُن راویوں میں سے ہے جوکسی روایت میں اکیلا ہوتووہ روایت حجت نہیں ہوتی۔(اورامام بخاری نے جوروایتیں لیں اُن میں اُس کاکوئی متابع اورشاہد ہوتا ہے)

چوں کہ اِس روایت میں عبداللہ بن المثنی اکیلا ہےاس لیے اِس سے حجت نہیں لی جاسکتی۔

خلاصہ کلام:

امام ابوالحسن احمد بن عبداللہ عجلی کوفی رحمہ اللہ(م۲۶۱ھ)فرماتے ہیں:

وطلحة والزبیرلم یقتلھما اصحاب علی رضی اللہ عنه، طلحة قتله مروان بن الحکم والزبیرقتله ابن جرموز وھومنصرف.[**الثقات للعجلی** :۳۴۸،**ترجمة علی بن ابی طالب رضی اللہ عنه**] حضرت طلحہ وزبیر رضی اللہ عنہما کوحضرت علی رضی اللہ عنہ کے ساتھیوں نے شہید نہیں کیا،طلحہ رضی اللہ عنہ کوتومروان بن حکم نے شہید کیااورزبیر رضی اللہ عنہ کوابن جرموز نے اُس وقت شہید کردیا جب وہ واپس جارہے تھے۔ (جاری ہے۔) ☆☆☆☆

(صفحہ نمبر 11 کابقیہ...... مسائل ثلاثہ اورمولانامفتی محمدتقی عثانی مدظلہم)

بالفرض اگرمولانامدظلہم یزید کی عدالت کے قائل ہوتے (یاخدانخواستہ آئندہ ہوجائیں) تب بھی درست موقف بہرحال وہی ہے جوجمہوراکابراہل سنت نے اپنایا۔اِس لیے ہم ایسے احباب سے مؤدبانہ اپیل کرتے ہیں کہ:تمام عقائدوأفکارمیں بالعموم اورمذکورہ بالامسائل ثلاثہ میں بالخصوص جمہوراکابراہل السنۃ والجماعۃ کاموقف اپنائیں،اورشاذآراءاورغلط أفکارکوقریب بھی نہ آنے دیں۔یہی رضائے باری ہے،اِسی کاحکم سرکارِدوعالم صلی اللہ علیہ وسلم نے دیااوراِسی میں تمام صحابہ کرام واہل بیت عظام رضوان اللہ علیہم اجمعین کی شان وعظمت کی پوری پاسداری ہے۔اِس سے ہٹ کرکسی بھی مسلک میں نہ حقانیت ہےاورنہ عنداللہ مقبولیت۔واللہ المُوَفِّق ☆☆

ابن احمد   قسط: ۸

مفتی محمد زاہد صاحب فیصل آبادی......افکار و نظریات

اکابر اہل السنۃ والجماعۃ قدیم و جدید کی اب تک کی عبارات سے یہ بات بڑی واضح ہوگئی کہ باقی تمام صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کی طرح سیدنا معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ بھی جلیل القدر صحابی، عادل و متقی اور بالاتر از تنقید ہیں اور خلیفۂ راشد حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ساتھ مشاجرات و اختلافات میں وہ اجتہادی خطا پر تھے جس سے ان کی عدالت میں فرق آتا ہے نہ ہی اس سے وہ باغی ٹھہرتے ہیں نیز ان پر طعن و تشنیع قطعاً ناروا اور ناجائز ہے، لہٰذا مولانا مفتی محمد زاہد کی طرف سے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ پر فسق و بغاوت کا لگایا جانے والا الزام بالکل باطل اور غلط ہے۔

اس سب کے باوصف مولانا مفتی محمد زاہد صاحب سادہ اذہان میں سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کے متعلق زہر گھول رہے ہیں۔ چنانچہ سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کے بارے میں جب ان کی تحقیقات یعنی تشکیکات بام عروج کو پہنچتی ہیں تو اپنی تائید میں جو دلائل پیش کرتے ہیں ان میں حضرت شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی رحمہ اللہ تعالیٰ کی طرف منسوب بعض عبارات بھی ہیں۔اس لیے اس حوالے سے گزارشات عرض کی جاتی ہیں:

شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی رحمہ اللہ کی طرف منسوب چند عبارات:

جیسا کہ گزارش کی کہ حضرت سیدنا معاویہ رضی اللہ تعالیٰ پر کیے جانے والے اعتراضات کے مؤیدات میں حضرت العلام شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی رحمہ اللہ کی طرف منسوب فتاویٰ عزیزی کی بعض عبارات بھی ہیں۔ چنانچہ جب درس گاہ میں خصوصاً درجہ موقوف علیہ (مشکاۃ شریف) یہ معرکۃ الآراء بحث موضوع بنتی ہے تو مولانا محمد زاہد صاحب مستدلات میں اسے بھی پیش کرتے ہیں حالانکہ حضرات اکابر و اسلاف ان کا جواب اور توجیہ و تاویل تحریر فرما چکے ہیں۔ ذیل میں عبارات اور استشہاد و استدلال کا جواب تحریر کیا جاتا ہے:

کچھ عبارات درج ذیل ہے:

”پس نہایت کارش ایں است کہ مرتکبِ کبیرہ باغی باشد و الفاسق لیس بأهل اللعن.“

[فتاویٰ عزیزی: ۱۷۷]

نیز لکھتے ہیں: ’’ایں حرکات او خالی از شائبہ نفسانی نبود‘‘

ایک مقام پر لکھتے ہیں:

’’ومحاربتِ با ایشاں از راہ شامت نفس وحب جاہ از تاویل باطل وشبہ فاسد فسق عملی یا فسق اعتقادی است نہ کفر......‘‘

حکیم الامت مجددِ ملت مولانا الشاہ اشرف علی صاحب تھانوی قدس سرہ حضرت شاہ صاحب رحمہ اللہ کی ایسی عبارات کہ جو اہل السنۃ والجماعۃ کے مسلک ومشرب سے مختلف ہوں کے متعلق تحریر فرماتے ہیں:

’’اول تو اس میں کلام ہے کہ وہ فتاویٰ شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا ہے بھی، مجھ کو تو قوی شک ہے۔‘‘

[امداد الفتاویٰ: ۳۱۲/۵، مکتبہ دار العلوم، کراچی]

ایک اور مقام پر فتاوی عزیزی ہی کے ایک فتوے کی بابت تحریر فرمایا ہے کہ:

اولاً انتسابِ ایں فتویٰ بشاہ صاحب محتاجِ سند است۔ [امداد الفتاویٰ: ۳۸۶/۴] یعنی حضرت شاہ صاحب رحمہ اللہ کی طرف اس فتوی کی نسبت محتاج سند ہے۔

اگر بالیقین یہ تمام فتاوی حضرت شاہ صاحب رحمہ اللہ ہی کے ہیں تو محتاج سند کیوں ہیں؟

حضرت مفتی اعظم پاکستان مولانا مفتی محمد شفیع عثمانی رحمہ اللہ نے اپنی تصنیفِ لطیف ’’مقامِ صحابہ رضی اللہ عنہم‘‘ میں الصحابۃ کلھم عدول کا مفہوم بیان فرماتے ہوئے حضرت شاہ صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ کی عبارت کا جواب تحریر فرماتے ہیں:

’’اسی طرح کا ایک مضمون شاہ عبدالعزیز دہلوی رحمہ اللہ کی طرف ان کے فتاویٰ کے حوالے سے منسوب ہے، یہ مضمون کی وجہ سے ایسا ہے کہ حضرت شاہ عبدالعزیز دہلوی رحمہ اللہ جیسے جامع علوم بزرگ کی طرف اس کی نسبت کسی طرح سمجھ میں نہیں آتی، اور فتاویٰ عزیزی کے نام سے جو مجموعہ شائع ہو رہا ہے، اس کے متعلق یہ سب کو معلوم ہے کہ حضرت شاہ صاحب نے نہ خود ان کو جمع فرمایا ہے، نہ ان کی زندگی میں وہ شائع ہوا ہے، وفات کے معلوم نہیں کتنا عرصہ بعد مختلف لوگوں کے پاس جو ان کے خطوط وفتاویٰ دنیا میں پھیلے ہوئے تھے، ان کو جمع کر کے یہ مجموعہ شائع ہوا ہے، اس میں بہت سے احتمالات ہو سکتے ہیں، کہ کسی نے کوئی تدسیس اس میں کی ہو، اور غلط بات ان کی طرف منسوب کرنے کے لیے فتاویٰ کے مجموعے میں شامل کر دیا ہو، اور اگر بالفرض یہ واقعی حضرت شاہ عبدالعزیز رحمہ اللہ ہی کا قول ہے، تو وہ بھی بمقابلہ جمہور علماء وفقہاء کے متروک ہے۔ واللہ اعلم‘‘۔ [مقام صحابہ: ۶۰، ۶۱]

حضرت شاہ صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ کی ایسی عبارات کا جواب دینے سے پہلے ہمارے قریب کے بزرگ اور محققِ عصرنا مولانا محمد نافع رحمہ اللہ تعالیٰ ایک اصول تحریر فرماتے ہیں:

’’حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے مقام ومرتبہ کو جمہور علماء اہل سنت متقدمین اور متاخرین مثلاً

حضرت شیخ سیدنا عبدالقادر جیلانی، ابن عربی، امام ربانی، ملا علی القاری اور ابن حجر مکی رحمہم اللہ وغیرہ حضرات نے اپنے اپنے دور میں جس طرح بیان کیا ہے اور حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے منصب کو پیش کیا ہے وہ طریق صحیح اور درست ہے اور ان کے مقابلے میں اگر کسی بزرگ کی بعض مشتبہ اور موہم عبارات پائی جائیں جن سے تنقیص شان کا پہلو نکلتا ہو تو وہ متروک اور مرجوح قرار دی جائیں گی، کیونکہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا مقام و منصب بعد والے حضرات کے مرتبہ سے بدرجہا اعلیٰ وارفع ہے اور کم درجہ والے شخص کو اپنے سے فائق شخصیت پر کلام کرنا مناسب نہیں۔'' [سیرت امیر معاویہ:۲/۲۷۱، دارالکتاب، لاہور، ۲۰۰۷ء]

بلکہ خود حضرت شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی رحمہ اللہ تعالیٰ نے اپنی طرف منسوب ان عبارات کی تردید فرمائی ہے جن میں سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ سے متعلق تعریضات پائی جاتی ہیں، چنانچہ ارشاد فرماتے ہیں:

" و تعریضات درباب معاویہ رضی اللہ عنہ واقع نشدہ اگر در نسخہ تحفہ اثنا عشریہ یافتہ شود الحاق کسے خواہد بود کہ بنا بر فتنہ انگیزی و کید و مکر کہ بنائے مذہبِ ایشان یعنی گروہ رَفَضہ از قدیم برہمیں امور است ایں کار کردہ باشد چنانچہ بسمع فقیر رسیدہ کہ الحاق شروع کردہ اند، اللہ خیرحافظاً و ایں تعریضات در نُسخ معتبرہ البتہ یافتہ نخواہد شد" [فضائل صحابہ واہل بیت مع مکتوبات شاہ عبدالعزیز وشاہ رفیع الدین دہلوی، بنام عبدالرحمٰن و برادران، ص ۲۶۵، ۲۶۶، پاک اکیڈمی، کراچی]

اس مکتوبِ گرامی سے واضح ہے کہ حضرت سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کی تنقیص و توہین کا الزام جب خود حضرت شاہ صاحب رحمہ اللہ کی زندگی میں لگایا گیا تو حضرت شاہ صاحب رحمہ اللہ نے اسے مسترد فرمادیا اور ایسے کسی بھی مضمون سے براءت کا اظہار فرمایا بلکہ اسے ایک سبائی و شیعی سازش، مکر اور دھوکہ قرار دیا۔

خود حضرت شاہ صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ کی اس صریح تردید کے بعد مُوہم عبارات پیش کرکے گمراہی کی داغ بیل ڈالنا چہ معنیٰ دارد؟

حضرت شیخ الاسلام مولانا مفتی محمد تقی عثمانی مدظلہم اس بابت تحریر فرماتے ہیں:

''اس میں سب سے پہلی بات تو یہ ہے کہ یہاں شاہ صاحب رحمہ اللہ اصل میں اس مسئلے پر گفتگو فرمارہے ہیں کہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ پر لعن طعن جائز نہیں، اس ذیل میں وہ کہتے ہیں کہ: ان کے بارے میں انتہائی بات یہ ہے کہ وہ مرتکبِ کبیرہ اور باغی ہوں اور فاسق لعنت کے لائق نہیں ہوتا'' اس میں وہ اپنا مسلک بیان نہیں کررہے کہ معاذ اللہ وہ واقعتاً باغی اور فاسق تھے بلکہ علی سبیل التسلیم یہ کہہ رہے ہیں کہ اگر انہیں فاسق بھی مان لیا جائے تب بھی ان پر لعن طعن جائز نہیں، دوسرے واقعہ یہ ہے کہ حضرت شاہ عبدالعزیز صاحب رحمہ اللہ نے اپنی تصانیف میں اس مسئلے سے متعلق جو آراء ظاہر کی ہیں وہ بڑی حد تک

پیچیدہ، مجمل اور بظاہر نظر متضاد معلوم ہوتی ہیں، اور جب تک اس مسئلے میں ان کی مختلف عبارتیں سامنے نہ ہوں اس وقت تک ان کی مراد کو ٹھیک ٹھیک سمجھا نہیں جاسکتا،...... میں نے حضرت شاہ عبدالعزیز صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ کی تحریروں پر جتنا غور کیا ہے، میں اس نتیجے پر پہنچا ہوں کہ انہوں نے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہ کے خروج کے لیے جو ''فسقِ اعتقادی'' کا لفظ استعمال کیا ہے اس سے مراد یہی ہے کہ بغاوت فی نفسہ فسق ہے، لیکن اس سے یہ نتیجہ نہیں نکالا جاسکتا کہ اس بناء پر نعوذ باللہ یہ حضرات فاسق ہوگئے، بلکہ چونکہ ان کی جانب سے اس فعل کا صدور نیک نیتی کے ساتھ اجتہاد کی بنیاد پر ہوا اور یہ حضرات اجتہاد کے اہل بھی تھے، اور اپنے موقف کی ایک بنیاد رکھتے تھے، اس لیے یہ ان کی اجتہادی غلطی تھی، ورنہ ظاہر ہے کہ اگر حضرت شاہ صاحب رحمہ اللہ کا منشاء یہ ہوتا کہ وہ واقعتاً حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ یا حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کو معاذ اللہ اس خروج کی بنا پر فاسق قرار دیں جیسا کہ ملک غلام علی نے سمجھا ہے تو پھر وہ اپنی عبارتِ مذکورہ میں اسے ''خطائے اجتہادی'' سے کیوں تعبیر کرتے ہیں؟......کوئی شخص اہل سنت کے کسی ایک عالم کا قول کہیں دکھلائے جس نے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ یا حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کو جنگ صفّین و جمل کی بناء پر فاسق قرار دیا ہو، اور اگر میرا یہ خیال غلط ہے اور ان کا منشاء یہی ہے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا، حضرت طلحہ، حضرت زبیر، حضرت معاویہ اور عمرو بن عاص رضی اللہ عنہم جیسے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم حضرت علی رضی اللہ عنہ سے محاربہ کرنے کی بناء پر معاذ اللہ فاسق ہوگئے تھے تو ان کی یہ بات بلاشک وشبہ غلط اور جمہورِ امت مسلمہ کے مسلّمات کے قطعی خلاف ہے، میں اپنے سابقہ مضمون کے آخر میں حوالوں کے ساتھ لکھ چکا ہوں کہ ساری امت از اول تا آخر ان حضرات کی اس غلطی کو اجتہادی غلطی قرار دیتی ہے، اہل سنت کے عقائد و کلام کی کتابیں ان تصریحات سے بھری ہوئی ہیں، اور ان میں سے کسی نے بھی اس بناء پر ان حضرات کو فاسق قرار دینے کی جرأت نہیں کی، اگر بفرضِ محال شاہ عبدالعزیز یا میر سید شریف جرجانی رحمہما اللہ واقعتاً اس کے خلاف کوئی رائے ظاہر کرتے ہیں تو جمہور امت کے مقابلے میں ان کا قول ہرگز مقبول نہ ہوگا۔''

[حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ اور تاریخی حقائق: ۲۶۰، ۲۶۳، ۲۶۴]

ان عبارات سے مولانا مفتی محمد زاہد صاحب کے موقف کا بطلان واضح ہوا۔

اکابر بیزاری:

مگر گزارش آنکہ مولانا مفتی محمد زاہد صاحب کے لیے اکابر علماءِ دیوبند کی مسطورہ بالا عبارات و تصریحات کوئی حیثیت نہیں رکھتی۔

حضرت مفتی اعظم پاکستان رحمہ اللہ نے غلط لکھا ہے:

مولانا محمد زاہد صاحب نے درجہ موقوف علیہ میں جب فتاویٰ عزیزی کی ایک ایسی عبارت پیش کی

تو ایک طالب العلم کی طرف سے یہ پرچی لکھی گئی کہ حضرت مفتی اعظم رحمہ اللہ نے اس کے جواب میں یہ تحریر فرمایا ہے کہ یا تو نسبت مشکوک ہے یا پھر خلافِ جمہور ہونے کی بناء پر مردود ہے تو اس پر حضرت مولانا مفتی زاہد صاحب نے جو جواب دیا، وہ یہ تھا کہ:

''حضرت مفتی شفیع صاحب رحمہ اللہ نے غلط لکھا ہے، یہ کتاب دیکھ کر ہی پتہ چلتا ہے کہ یہ حضرت شاہ صاحب رحمہ اللہ کے علوم ہیں۔''

سبحان اللہ! قربان اس تفقہ، تدبر، بصیرت اور اختلاف کے سلیقہ وطریقہ پر کہ جس میں غصے میں انسان فرقِ مراتب بھول جائے، بجا فرمایا کہ ع گر فرقِ مراتب نہ کنی زندیقی

جس پر بہت سے سنجیدہ طلبہ کرام یہ سوچ کر ساکت وصامت ہو گئے کہ جو شخص ببانگ دہل انتہائی ڈھٹائی سے بے بنیاد طور پر حضرت مفتی اعظم قدس سرہ اور دیگر اکابر کی تغلیط کر سکتا۔ ہما شما ان کے آگے کیا چیز ہیں؟ لہٰذا بحث فضول است۔

اندازہ کیجیے کہ حضرت تھانوی قدس سرہٗ اور مفتی اعظم رحمہ اللہ جیسی شخصیات کو تو یہ احساس اور علم نہ ہوا کہ یہ حضرت شاہ صاحب رحمہ اللہ کے علوم ومعارف ہیں لیکن زاہد صاحب پر یہ راز وا ہو گیا اور یہ حقیقت آشکارا ہو گئی۔

درس زاہدانہ کا سب سے مہلک وموبق پہلو یہی ہے اس میں اکابر بیزاری کا عنصر بدرجۂ اتم موجود ہوتا ہے، زاہدانہ تخیلات واوہام سے متاثر طالبعلم اکابر کی تحقیقات سے مکمل طور پر برگشتہ ہو چکا ہوتا ہے، چنانچہ عین جیم سین نے لاہور سے اپنے مراسلہ میں لکھا تھا کہ:

''فیصل آباد کے ایک بزرگ عالم دین نے تو یہاں تک بتایا کہ مولانا محمد زاہد نے ایک بار جامعہ کی شوریٰ میں رائے دی کہ دورۂ حدیث کے طلبہ پینٹ شرٹ اور ہیٹ پہن کے کلاس روم میں آیا کریں تاکہ عالمی دوڑ میں ہم کسی سے پیچھے نہ رہ جائیں، اگر ان کی گم راہی کی رفتار یہی رہی تو کوئی بعید نہیں کہ عنقریب موصوف ایسا سبھی کچھ کر گزریں، اس کا آسان راستہ تو یہی ہے کہ بجائے طلبہ کو پابند کرنے کے فی الحال موصوف جینز پہن کے اور ٹائی لگا کے احادیث کا درس دینے کا معمول بنا لیں، کیونکہ اسلاف امت نے بجائے ترغیب کے خود عمل کیا ہے اور پھر ان کا عمل دوسروں کے لیے خود بخود نمونہ قرار پایا۔''

خود مولانا مفتی محمد زاہد صاحب اکابر بیزاری کا درس برملا طور پر سوشل میڈیا کی اپنی ذاتی فیس بک وال پر بھی دیتے رہتے ہیں، مشتے نمونہ از خروارے ملاحظہ ہو، زہر افشانی فرماتے ہیں:

حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی رحمہ اللہ کا تصوف میں بڑا اونچا مقام تھا، ان کے ہاں باقاعدہ خانقاہی معمولات بھی اعلیٰ پیمانے پر ہوتے تھے، تاہم بعض مسائل میں ان کی طرف سے حاجی امداد اللہ رحمہ اللہ سے

شدید (مگر ادب کے دائرے میں رہ کر) اختلاف کیا گیا، یقیناً مولانا گنگوہی کے پیش نظر بعض انتظامی مصالح ہوں گی لیکن یہ بھی حقیقت ہے کہ بحیثیت مجموعی اس کے نتیجے میں دیو بندی فکر میں خاص قسم کی خشکی آگئی اور بات دوسری طرف کو کچھ زیادہ نکل گئی جس نے دیو بندیت کو کسی قدر نقصان بھی پہنچایا (اور ظاہر ہے کہ کوئی بھی شخص اس بات کا التزام نہیں کر سکتا کہ وہ اپنی پیش کردہ فکر کے بہت دور کے اثرات سے آگاہ ہو، اس لئے صاحب فکر پر بذات خود اعتراض نہیں بنتا تاہم درست تجزیہ بعد والوں کی ذمہ داری ضرور ہے)، ہاشمی صاحب اسی کی طرف توجہ دلا رہے ہیں، حضرت گنگوہی کے سلسلے کی ایک اہم شخصیت شیخ الحدیث مولانا زکریا کاندھلوی کو اس کا شاید احساس بھی ہوا اور آخر میں کچھ تدارک کی طرف توجہ بھی فرمائی لیکن ان کے خلفا جب اس معاملے کو لے کر چلے تو شیخ علوی مالکی جیسے حضرات کی شرکت کی وجہ سے یہ مہم متنازعہ سی ہوگئی۔ میری عرصے سے یہ رائے ہے کہ دیو بندیوں کو ان معاملات میں حاجی صاحبؒ کی باتوں کو سمجھنا ضرور چاہئے، ماننا نہ ماننا بعد کی بات ہے، اکثر علمائے دیو بند کے علم میں ہی نہیں ہوتا کہ حاجی صاحب کیا فرماتے تھے، اس لیے حاجی صاحب کو اہل السنۃ والجماعۃ سے نکالنے کی جسارت کوئی بھی نہیں کر سکتا۔ واللہ اعلم بالصواب۔

[مولانا مفتی محمد زاہد صاحب کی اپنی فیس بک وال پر پوسٹ، مؤرخہ ۲۲ دسمبر، ۲۰۱۵ء]

بلکہ حقیقت یہ ہے کہ انہیں دیو بندی انتساب کی ضرورت ہی نہیں بلکہ وہ برملا اس سے اعلانِ براءت کرتے ہیں، ۲۱ نومبر ۲۰۱۸ء کی ان کی ایک فیس بک پر چھوڑی گئی تحریر ملاحظہ ہو:

''ایک مرتبہ علامہ خالد محمود صاحب پوچھنے لگے کہ دیو بندیت کا بانی کون ہے؟ اگرچہ سید الطائفہ کا لفظ حاجی امداد اللہ مہاجر مکی کے لیے بولا جاتا ہے لیکن ظاہر ہے کہ انہیں دیو بندیت کا بانی کہنا مشکل ہے، میں نے مولانا گنگوہی کا نام لیا تو علامہ صاحب نے فرمایا کہ دیو بندیت کے بانی مولانا خلیل احمد سہارن پوری ہیں، اس کے دلائل بھی انہوں نے ذکر کیے، حقیقت یہ ہے کہ مولانا سہارن پوری کا کام بھی مولانا گنگوہی کی ہی نگرانی میں ہوا ہے، قریب دور میں ٹھیٹھ مسلکی طور پر جو حضرات دیو بندی مکتبِ فکر میں نمایاں ہوئے ہیں جیسے مولانا سرفراز خان صفدر، مفتی عبدالشکور ترمذی، قاضی مظہر حسین اور مولانا محمد یوسف لدھیانوی وہ بھی اسی ذوق کے حامل رہے ہیں، ہمارے ہاں ٹھیٹھ مسلکی ذہن رکھنے والے حضرات انہی بزرگوں کو حجت مانتے ہیں، ایسی سیرت کانفرنس جس کے بارے میں طے شدہ ہے کہ ربیع الاول میں ہی ہوگی اور بارہ ربیع الاول یا اس کے آس پاس ہی ہوگی یا اسی حوالے سے منعقد ہونے والی دیگر کانفرنسز یا پروگرام ہیں ان میں شرکت کے بعد ان بزرگوں کی پیروی باقی رہتی ہے یا نہیں؟ میرے خیال میں جو خود کو ''اکابر'' کا پیروکار قرار دے اس سے یہ سوال بنتا ہے، میرا سوال کسی شخصیت کے بارے میں نہیں ہے، نہ ہی مجھے معلوم ہے کہ کون کس پروگرام میں شریک ہوا ہے، نہ ہی مجھے اس طرح مسلکی پختگی کا دعویٰ ہے، میں تو

ایک حد تک حاجی امداد اللہ کی طرف رجحان رکھتا ہوں، میرا سوال صرف منہجی نوعیت کا ہے، ان بزرگوں کی پیروی کے دعوے کے ساتھ یہ عمل مطابقت رکھتا ہے یا نہیں، ایک مجلّہ نکلتا ہے غالباً گجرات سے، صفدر کے نام سے، وہ مجھ پر بھی نظرِ عنایت کرتے رہتے ہیں لیکن انصاف کی بات یہ ہے کہ ان مذکورہ شخصیات کے ان معاملات میں طریقے کو لے کر دیوبندیوں میں شاید صرف وہی چل رہے ہیں، ان سے اختلاف اپنی جگہ، ان سے کسی کو اذیت پہنچنا بھی اپنی جگہ لیکن کم از کم ان کی یہ خوبی ماننے کی ہے کہ ان میں اس طرح کا منہجی تضاد نظر نہیں آتا، شاید اکا دکا اور لوگ ہوں صحیح ہوں یا غلط، منہجی یگانگت پر تو ہوں۔'' (مولانا مفتی محمد زاہد)

مذکورہ بالا دونوں تحریروں کا تقابل کیا جائے تو مولانا مفتی محمد زاہد صاحب کے ہاں دیوبندیت اور اکابرِ دیوبند کی حیثیت واضح ہو جائے گی۔

اکابر بیزاری سے متعلق اسلاف کے ارشادات:

صاحبِ اوجز المسالک شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد زکریا صاحب رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

''حقیقت یہ ہے کہ اس دورِ فساد میں آدمی اس وقت تک محقق نہیں سمجھا جاتا، جب تک کہ سلف صالحین کے خلاف کوئی نئی ایجاد نہ کرے......لہذا یہ ناکارہ تو حذواً فعل بالنعل ان حضرات کا متبع ہے اور اس ناکارہ کی تحریر میں کوئی لفظ ان کی تحقیق کے خلاف ہے تو وہ لغو اور ناقابلِ التفات اور مردود ہے۔'' [مکاتیب شیخ الحدیث: ۵۰۲، ۵۰۳]

محدث العصر حضرت مولانا محمد یوسف بنوری رحمہ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں:

''اہلِ حق وتحقیق کی یہ شان نہیں کہ وہ...... ''میں یہ سمجھا ہوں''......کی برخود غلط فہمی میں مبتلا ہوں اور جب انہیں خیرخواہی سے تنبیہ کی جائے تو تاویلات کا ''ضمیمہ'' لگانے بیٹھ جائیں، اہلِ حق کی شان تو یہ ہے کہ ان کے قلم وزبان سے کوئی نامناسب لفظ جائے تو تنبیہ کے فوراً بعد حق کی طرف پلٹ آئیں۔'' [بصائر و عبر ۱/۱۵۴ تا ۱۶۲، مکتبہ بینات، کراچی، ۱۴۳۵ھ/۲۰۱۴ء]

خود مولانا مفتی محمد زاہد صاحب کے والد بزرگوار شیخ الحدیث حضرت مولانا نذیر احمد صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ [بانی: جامعہ اسلامیہ امدادیہ، فیصل آباد] فرماتے ہیں:

''اور بے ادبوں کا نام مودودیت ہے، تخریب کاری کا نام کمیونسٹ ہے، اگر کوئی یہ کہے اکابر کے خلاف میری بات یہ ہے وہ مودودی ہے، ھی المودودیۃ''۔ [خطبات شیخ: ۳۶۵]

مولانا مفتی محمد زاہد صاحب کو اپنے والد بزرگوار رحمہ اللہ تعالیٰ کے اس ملفوظ پر غور کرنا چاہیے۔

یہی فکر وطرز جس پر اس وقت مولانا محمد زاہد صاحب چل پڑے ہیں، کبھی یہ فکر خود ان کے لیے باعثِ تشویش اور لائقِ اصلاح تھی، چنانچہ وہ ''اہلِ مدارس کی خدمت میں'' کے عنوان سے اپنے ۲۰۰۱ء ایک مضمون میں تحریر فرماتے ہیں: (بقیہ صفحہ نمبر 48 پر)

مفتی رب نواز حفظہ اللہ، احمد پور شرقیہ

غیر مقلدین کی انگریز دوستی کا ایک نمونہ

محمد حسین بٹالوی کی انگریز سے وفاداری

غیر مقلدین کے طبقہ میں ''وکیل اہلِ حدیث'' کا شہرہ پانے والے لوگوں میں سے ایک نمایاں شخصیت مولانا محمد حسین بٹالوی صاحب ہیں یہ وہ بزرگ ہیں جنھوں نے اپنی جماعت غیر مقلدین کو انگریز حکومت سے ''اہلِ حدیث'' نام الاٹ کرا کے دیا ہے، اس حوالہ سے انہیں پوری جماعت کا محسن سمجھا جاتا ہے۔ یہ بزرگ انگریز کے بہت زیادہ مداح اور حامی تھے انہوں نے انگریز کی حمایت اور جہاد کی مخالفت میں ایک مستقل کتاب ''**الاقتصاد فی مسائل الجهاد**'' لکھی جو رسائل اہلِ حدیث جلد اول میں شامل ہے۔ اس کتاب کے علاوہ بھی اس موضوع پر بہت سی تحریریں شائع کیں۔ ''**الاقتصاد**'' کے اقتباسات تو ہم کسی اور مضمون میں جمع کریں گے ان شاء اللہ۔ البتہ اُن کی دوسری تحریروں کے کچھ اقتباسات یہاں نقل کرتے ہیں۔**وبا اللہ التوفیق.**

انگریز کی حمایت میں لکھی گئی کتاب کی مدح

غیر مقلدین کے ''خاتم المحد ثین'' نواب صدیق حسن خان نے بھی جہاد کی مخالفت اور انگریز کی مدح میں ایک مستقل کتاب ''ترجمان وہابیہ'' لکھی جو رسائل اہلِ حدیث جلد اول میں شامل ہے۔ بٹالوی صاحب نے اس کتاب پر ریو لکھا، جس میں اس کتاب کی بہت مدح سراہی کی۔ پہلے اس ریو کے اقتباسات قارئین کی خدمت میں پیش کرتے ہیں۔

بغاوت وجہاد کی ترغیب کا نہ پایا جانا

بٹالوی صاحب نے ''ترجمان وہابیہ'' پر ریو تحریر کرتے ہوئے لکھا:

''فصلِ ہشتم میں جناب مؤلف نے حسبِ وعدہ اپنی مختصر سرگذشت لکھی ہے اور اس کے ضمن میں.. .اہلحدیث کی کتابوں میں گورنمنٹ انگلشیہ سے بغاوت وجہاد کی ترغیب کا نہ پایا جانا اور ہندوستان میں کسی کا بھی وہابی مذہب نہ ہونا اور اہلِ بدعت کا اہلحدیث کو از راہِ عداوت وہابی کہنا بیان کیا ہے۔''

[اشاعۃ السنہ:۲۰۸/۶]

انگریز کی خیر خواہی

بٹالوی صاحب آگے لکھتے ہیں:

’’اس کے بعد سول وملٹری گزٹ لاہور کے ایک آرٹیکل کا خلاصہ نقل کیا ہے جس میں ۱۸۵۷ء میں علماء کا خیر خواہ گورنمنٹ رہنا مذکور ہے۔اس کے بعد اخبار تیرہویں صدی اگرہ سے ایک مضمون اس گروہ (خصوصاً جناب مؤلف) کے خیر خواہ گورنمنٹ ہونے کے شہادت میں نقل کیا۔‘‘[اشاعۃ السنہ:۶/۲۱۳]

کتبِ اسلامیہ میں انگریز کی بغاوت کی ترغیب نہیں

بٹالوی صاحب آگے لکھتے ہیں:

’’اس کے بعد یہ بیان کیا کہ کتبِ اسلامیہ میں مسئلہ جہاد ایسے طور پر بیان نہیں ہوا کہ اس کے پڑھنے سے گورنمنٹ سے بغاوت کا کسی کو خیال پیدا ہو۔‘‘[اشاعۃ السنہ:۶/۲۱۳]

انگریز سے لڑنے والے فسادی تھے

بٹالوی صاحب آگے لکھتے ہیں: ’’اور بیان کیا کہ ۱۸۵۷ء وغیرہ میں جو مفسدے ہوئے ہیں وہ اس مسئلہ کے نتائج نہیں ہیں ان مفسدوں کو علمِ مسائل نہ تھا۔‘‘[اشاعۃ السنہ:۶/۲۱۳]

علمائے حدیث کی طرف جہاد کی نسبت تہمت ہے

بٹالوی صاحب آگے لکھتے ہیں: ’’اس کے بعد فرمایا ہے مع ہذا تہمت وہابیت اور جہاد علماء حدیث پر خواہ قدما ہوں خواہ متاخرین محض خیال خام ہے۔‘‘[اشاعۃ السنہ:۶/۲۱۳]

انگریز کے خلاف جہاد کو فرض بتانے والے جاھل

بٹالوی صاحب آگے لکھتے ہیں:

’’کوئی دانشمند تجربہ کار معاملہ فہم ہرگز اس بات کو قبول نہیں کرسکتا کہ سوائے ان ملاؤں کے جو علم کامل سے جاہل اور تحقیق صحیح سے عاطل ہیں کوئی شخص بھی اہل علم ومعرفت سے ایسا دعوی کرے کہ سرکار سے جہاد کرنا مذہب اسلام میں حالت موجودہ پر بالخصوص فرض ہے یا اس وقت میں شروط جہاد موجود ہیں۔‘‘[اشاعۃ السنہ:۶/۲۱۳]

وھابی بمعنی جھادی ھے ،لھذا اھل حدیث وھابی نھیں

بٹالوی صاحب آگے لکھتے ہیں:

’’...اس کے بعد جناب مؤلف نے بڑی تفصیل کے ساتھ چند باتیں بیان کی ہیں جن کا خلاصہ ہم اس مقام پر نقل کرتے ہیں۔...سرکاری محاورہ میں وہابی بمعنی باغی وجہادی استعمال کیا گیا ہے ...کوئی اہل حدیث ہندوستانی وہابی نہیں کہلاتا جیسے شیعہ شیعہ کہلاتا ہے حنفی حنفی۔بعض مسائل میں اہل حدیث ہندوستان کا

وہابیہ نجد سے اتفاق واشتراک ایسا ہے جیسا کہ بعض مسائل میں ہندوؤں اور عیسائیوں کو بھی ان سے اشتراک حاصل ہے۔“[اشاعۃ السنہ: ۲۱۶/۶، ۲۱۷]

انگریز سے جهاد نهیں هوسکتا

بٹالوی صاحب آگے لکھتے ہیں:

”جہاد کا مسئلہ اہلِ اسلام کے ہر فرقہ مذہب (شیعہ، سُنی، حنفی، اہل حدیث) کی کتابوں میں موجود ہے مگر وہ ایسی شرائط پر موقوف ہیں کہ ان کا وجود سینکڑوں سال سے معدوم ہے و بناء علیہ وہ مسئلہ گورنمنٹ انگلشیہ سے متعلق نہیں ہوسکتا۔“[اشاعۃ السنہ: ۲۱۶/۶]

اهل حدیث کا عقیده انگریز کی خیر خواهی هے

بٹالوی صاحب آگے لکھتے ہیں:

”اہل حدیث کا عقیدہ جس سے ان کا خیر خواہ ملک و گورنمنٹ ہونا ثابت ہوتا ہے۔“[ایضا: ۲۱۷/۶]

اهل حدیث انگریز کا مخالف نهیں

بٹالوی صاحب آگے لکھتے ہیں:

”جو اہل حدیث ہوگا وہ کبھی گورنمنٹ کا مخالف و باغی نہ ہوگا۔“[اشاعۃ السنہ: ۲۱۷/۶]

اهل حدیث انگریز کے باغی وبدخواه نهیں

بٹالوی صاحب آگے لکھتے ہیں:

”ان سب باتوں کے بعد سول وملٹری گزٹ لاہور سے ایک مضمون نقل کیا ہے جس کا خلاصہ یہ ہے اہلحدیث ہندوستان وہابی و باغی و بدخواہ گورنمنٹ نہیں ہیں اور نہ وہابی کہلانے کے مستحق ہیں۔“[۲۱۸/۶]

انگریز کے مقابله میں تلواریں توڑ کے گوشه نشینی اختیار کرو

بٹالوی صاحب آگے لکھتے ہیں:

”اخیر میں ایک خاتمہ لگایا ہے جس میں بشہادت احادیثِ صحیحہ یہ بیان کیا گیا ہے کہ فتنہ وفساد کے زمانہ میں مسلمانوں کو اپنی تلواریں توڑ کر اپنے گھروں کا ٹاٹ بن جانے (یعنی خانہ نشین ہوجانے) یا جنگلوں اور پہاڑوں میں عزلت اور خلوت نشینی کا حکم ہے۔ اس فساد میں شریک ہونے کی ہرگز اجازت نہیں ہے۔ یہ اس کتاب کا خلاصہ مطالب ہے۔“[اشاعۃ السنہ: ۲۱۸/۶]

ترجمانِ وهابیه کی قدرومنزلت

بٹالوی صاحب اسی ریویو میں مزید لکھتے ہیں:

”یہ کتاب پکے مسلمانان پیروان احکام اسلام کے لئے (جو حکام ورعایا کی واجبی حقوق کی رعایت

کو جزو اسلام سمجھتے ہیں) بشیر ہے اور ناواقف مسلمانوں کے لئے (جو بعض اوقات چند اوباش خلائق کو مخالفین مذہب سے لڑتے ہوئے دیکھ کر اس کو جہاد شرعی سمجھ کر بخیال شہادت اس میں شریک ہو جاتے ہیں) ایک واعظ ونذیر ہے۔'' [اشاعۃ السنہ:۶/۲۱۸]

انگریز کی اطاعت وعدمِ بغاوت ایمان کا جزو ھے

بٹالوی صاحب آگے لکھتے ہیں:

''اور [یہ کتاب ترجمانِ وہابیہ (ناقل)] گورنمنٹ انگلشیہ کے لئے ایک دیانت دار وصداقت اشعار مشیر وپولیٹیکل وزیر ہے اور مختلف فرقہ ہائے اہلِ اسلام کے باہمی اتفاق واتحاد کے لیے اکسیر ہے۔ فریق اول کو تو صاف بشارت دیتی ہے کہ جو کچھ مسئلہ جہاد اور اطاعت سلطنت کی باب میں ان کا عقیدہ ہے خدا ورسول اور قرآن وحدیث کا وہی حکم وفیصلہ ہے وہ اپنے اس اعتقاد پر قائم ومستحکم رہیں اور سلطنت کی اطاعت وعدمِ بغاوت کو اپنے ایمان واسلام کا جز سمجھتے رہیں۔'' [اشاعۃ السنہ:۶/۲۱۸]

انگریز سے لڑنا جھاد نھیں، فساد ھے

بٹالوی صاحب آگے لکھتے ہیں:

''فریق دوم کو وہ [کتاب ترجمانِ وہابیہ (ناقل)] یہ سکھاتی ہے کہ اکثر ملکی لڑائیاں جن کو وہ جہاد سمجھتے ہیں اور وقتاً فوقتاً ان میں وہ شریک ہو جاتے ہیں جہاد نہیں فساد ہیں۔'' [اشاعۃ السنہ:۶/۲۱۸]

ریو وترجمانِ وہابیہ کے اقتباسات یہاں ختم ہوئے۔ ان کا عکس مولانا حبیب الرحمٰن لدھیانوی کی کتاب ''تاریخ ختم نبوت صفحہ ۴۱۱/تا ۴۱۸'' میں دیکھ سکتے ہیں۔

اشاعۃ السنۃ کے چند مزید حوالے

بٹالوی صاحب کا ماہ نامہ اخبار ''اشاعۃ السنۃ'' نکلا کرتا تھا۔ غیر مقلدین نے اس اخبار کی خوب تعریفیں کیا کرتے ہیں، مثلاً: مولانا محمد رفیق اثری غیر مقلد بٹالوی صاحب کے تذکرہ میں لکھتے ہیں:

''ماہانہ رسالہ ''اشاعۃ السنۃ'' مدتوں ان کی زیر ادارت نکلتا اور کفار ومبتدعین کی لغویات کی سرکوبی کرتا رہا۔'' [مولانا سلطان محمود، ص:۵۰]

حافظ صلاح الدین یوسف غیر مقلد لکھتے ہیں:

''مولانا بٹالویؒ نے ''اشاعۃ السنۃ'' کے ذریعے سے اہلِ حدیث صحافت کا آغاز کیا...اس سے بھی سلفی تحریک کو بڑی تقویت ملی۔'' [برصغیر میں اہلِ حدیث کی آمد:۴۲، تالیف مولانا محمد اسحاق بھٹی]

مولانا عبدالمجید سوہدری غیر مقلد لکھتے ہیں:

''مولوی محمد حسین بٹالوی نے اشاعۃ السنہ کے ذریعے اہلِ حدیث کی بہت خدمت کی۔ لفظِ ''وہابی''

آپ ہی کی کوشش سے سرکاری دفاتر اور کاغذات سے منسوخ ہوا اور جماعت کو اہلِ حدیث کے نام سے موسوم کیا گیا۔'' [سیرتِ ثنائی:۳۷۲]

مولانا احسن اللہ ڈیانوی غیر مقلد لکھتے ہیں:

''اشاعۃ السنۃ''...بدنام وہابیوں کے دفاع کے لیے شائع کیا جاتا تھا۔'' [احناف کی تاریخی غلطیاں:۱۰۷]

قارئین کرام! آپ نے غیر مقلدین کی زبانی ''اشاعۃ السنۃ'' کی تعریف ملاحظہ فرمالی ہے۔ اوپر اشاعۃ السنہ کے حوالے بھی کہ اُن میں انگریز حکومت کی کس حد تک کاسہ لیسی کی گئی۔ اشاعۃ السنہ کے چند مزید حوالے ملاحظہ فرمائیں۔

انگریز کی جانثاری

بٹالوی صاحب اپنے ایک مضمون ''بھوپال کا حال'' میں لکھتے ہیں:

''نواب صاحب کے اس سالہا کی خیر خواہی و جان نثاری گورنمنٹ کا یہ نتیجہ سنیں گے تو....'' [۲۲۶/۸]

رسالہ کے لفظ لفظ سے انگریز کی خیر خواہی

بٹالوی صاحب آگے لکھتے ہیں:

''نواب صاحب نے ترجمان وہابیہ کو (جس کے لفظ لفظ سے ان کا خیر خواہ گورنمنٹ ہونا اور اس گورنمنٹ سے جہاد کا ناجائز ہونا ٹپکتا ہے) انگریزی میں بھی ترجمہ کرایا اور بصرف زر کلکتہ میں چھپوا کر اس کو بلا قیمت تقسیم و شائع کیا ہے۔ جس کا نتیجہ یہ نکلا جو اخباروں میں مشتہر ہو رہا ہے۔'' [اشاعۃ السنہ:۲۲۶/۸]

انگریز کی بے مثال خیر خواہی

بٹالوی صاحب آگے لکھتے ہیں:

''اب کوئی دوسرا خیر خواہ ایسی خیر خواہی گورنمنٹ کا کیوں دم بھرنے لگا؟ اب بھی ہمارے ملکی ریفارمر اور ان کے نامہ نگار و مخبر اپنی اخباروں اور قلموں اور زبانوں کو سنبھالیں اور گورنمنٹ کے خیر خواہوں کو مجرئ برباد گناہ لازم کا محمل بنا کر خیر خواہی گورنمنٹ سے روکنے کی تجویزیں نہ نکالیں۔'' [ایضا:۲۲۶/۸]

اہلحدیث انگریز کے ظلِ حمایت میں ہیں، مخالف نہیں

بٹالوی صاحب اپنے مضمون ''اہل حدیث کو وہابی کہنے پر اعتراض'' میں لکھتے ہیں:

''چونکہ اہل حدیث ہند میں یہ دونوں بُرے معنی نہیں پائے جاتے۔ نہ وہ معجزات و کرامات کے منکر ہیں، نہ کسی اہلِ قبلہ کے جو اُن کا اعتقاد میں مخالف ہو مکفر ہیں۔ اور نہ کسی گورنمنٹ کے جس کے ظلِ حمایت میں رہیں (مخالف مذہب و غیر مسلم کیوں نہ ہو) وہ باغی ہیں۔'' [اشاعۃ السنہ:۲۵۴/۸]

انگریز حکومت اہل حدیث سے بدظن نہیں

بٹالوی صاحب اسی مضمون میں آگے لکھتے ہیں:

''ہر چند ہمارے مہربان گورنمنٹ (جس کو گروہ اہل حدیث سے بدظنی نہیں ہے اور وہ اس گروہ کو بھی ایسا ہی خیر خواہ و مطیع سلطنت سمجھتی ہے جیسا کہ اور مسلمانوں کو) یہ لفظ (وہابی) استعمال نہیں کرتی۔''

[اشاعۃ السنہ:۲۵۵/۸]

انگریز سے وفاداری کی روشن اور قوی دلیل

بٹالوی صاحب لکھتے ہیں:

''اس گروہ اہل حدیث کے خیر خواہ وفادار رعایا برٹش گورنمنٹ ہونے پر ایک بڑی روشن اور قوی دلیل یہ ہے کہ یہ لوگ برٹش گورنمنٹ کے زیرِ حمایت رہنے کو اسلامی سلطنتوں کے زیر سایہ رہنے سے بہتر سمجھتے ہیں اور اس امر کو اپنے قومی وکیل اشاعت السنہ کے ذریعہ سے (جس کے نمبر ۱۰/جلد ۶/میں اس امر کا بیان ہوا ہے اور وہ نمبر ہر ایک لوکل گورنمنٹ آف انڈیا میں پہنچ چکا ہے) گورنمنٹ پر بخوبی ظاہر اور مدلل کر چکے ہیں جو آج تک کسی اسلامی فرقہ رعایا گورنمنٹ نے ظاہر نہیں کیا اور نہ آئندہ کسی سے اس کے ظاہر ہونے کی اُمید ہوسکتی ہے۔''[اشاعۃ السنہ:۲۶۲/۹]

تنبیہ: ''اشاعۃ السنۃ کے چند مزید حوالے''عنوان کے تحت''اشاعۃ السنۃ'' کے دیئے گئے حوالے رسالہ''انگریز اور اہل حدیث''...اور...''تاریخ ختم نبوت'' سے ماخوذ ہیں۔

دوسرے غیر مقلد ین کی گواہیاں

جس طرح بٹالوی صاحب خود کو انگریز کا وفادار بتاتے ہیں بلکہ اس وفاداری میں منفرد ہونے کا اعتراف کرتے ہیں اسی طرح دوسرے غیر مقلدین نے بھی ڈنکے کی چوٹ اُنہیں انگریز کا وفادار بتایا ہے ذیل میں دیگر غیر مقلدین کی چند عبارتیں ملاحظہ فرمائیں۔

بٹالوی کے فتویٰ سے انگریز کی خوشی

محمد اشرف جاوید صاحب غیر مقلد (جامعہ سلفیہ فیصل آباد) بٹالوی صاحب کے متعلق لکھتے ہیں:

''مولانا نے تنسیخِ جہاد کا موقف اختیار کیا۔ انگریز ایک اہلِ حدیث عالم کا یہ فتویٰ پا کر نہ صرف مسرور و مطمئن ہوئے بلکہ شمس العلماء کا خطاب دیا اور انعام میں اراضی عطا کی۔حتیٰ کہ گورنر جنرل ہندوستان نے صوبائی گورنر کی سفارس پر ایسی جماعت کے لیے اہلِ حدیث کہلانے کی منظوری حاصل کی۔''

[ہفت روزہ اہلِ حدیث ۲۸/فروری ۱۹۹۷ء صفحہ ۱۶/بحوالہ قہر الباری:۷]

وفاداری کا اظہار

حافظ صلاح الدین یوسف غیر مقلد لکھتے ہیں:

’’یہ ٹھیک ہے کہ اہل حدیث علماء میں سے مولانا محمد حسین بٹالوی مرحوم نے بوجوہ انگریز سے وفاداری کا اظہار کیا ہے، اسی طرح نواب صدیق حسن نے بھی اپنے ریاستی منصب وعہدے کی مجبوریوں کی وجہ سے کچھ ایسی باتیں کی ہیں...‘‘ [ہفت روزہ الاعتصام ۸/اپریل ۱۹۸۸ء صفحہ ۱۵/بحوالہ قہرالباری:۷]

انگریزی نظامِ حکومت کے ثناء خواں

مولانا محمد اسماعیل سلفی غیر مقلد (گوجرانوالہ) لکھتے ہیں:

’’پنجاب میں مولانا محمد حسین بٹالوی انگریزی حکومت کے تعاون کے حق میں تھے اور بظاہر وہ انگریزی نظام کے ثنا خواں ...مجھے یہ ناخوش گوار اعتراف کرنے کے سوا چارہ نہیں کہ مرحوم مولانا محمد حسین صاحب جید عالم اور دُور اندیش مفکر ہونے کے باوجود اپنے دوسرے رفقاء کی طرح مقام عزیمت پر قائم نہ رہ سکے۔‘‘ [تحریک آزادی فکر:۱۶۵]

وفاداریٔ حکومت

محمد تنزیل صدیقی صاحب غیر مقلد لکھتے ہیں:

’’مولانا بٹالوی...بدنام وہابیوں کا دفاع کرنے کے لیے بعض ایسی باتیں کہہ گئے، بعض ایسے کام کر گئے جن سے وفاداری حکومت کا گمان ہوتا ہے۔ایسا صرف اس وقت کے حالات کو مدنظر رکھ کر کیا گیا۔‘‘

[احناف کی تاریخی غلطیاں:۱۵۲]

صدیقی صاحب یہاں لفظ ’’گمان‘‘ لکھ رہے ہیں کسی کو یہ شبہ پیش نہ آئے کہ محض گمان ہی ہوتا ہے ...جب کی حقیقت یہ ہے کہ انہوں نے واقعۃً وفاداری ہی کی جب ہی تو انہیں انگریز کی طرف سے جاگیر ملی جیسا کہ خود صدیقی صاحب کی زبانی آگے ’’وفاداری کے صلہ میں انگریز سے جاگیریں پائیں‘‘ عنوان کے ذیل میں آئے گا، اِن شاءاللہ۔

تنزیل صاحب مزید لکھتے ہیں:

’’انہوں نے خود اور دیگر علماء اہلِ حدیث کو بھی انگریزوں سے ناراضگی ختم کرنے کی روش اپنانے کا مشورہ دیا۔‘‘ [احناف کی تاریخی غلطیاں:۱۵۲]

انگریز سے جہاد ایمان کے خلاف ہے

نواب صدیق حسن خان صاحب غیر مقلد لکھتے ہیں:

’’پھر مولوی محمد حسین نے اپنے اس دعویٰ اور جواب کی تصدیق میں کل علماء ملک پنجاب واطراف ہند کے پاس اپنے فتویٰ کو جوابی بھیج دیا اور اچھی طرح سے مشتہر کیا اور کل علماء ہند وملک پنجاب سے اس بات کی تصدیق میں اقرار مہری اور دستخطی کرا لیا کہ عموماً مسلمانان ہند کو ہتھیار اُٹھانا اور جہاد بمقابلہ برٹش گورنمنٹ

ہند کرنا خلاف مسئلہ سنت اور ایمان موحدین ہے۔‘‘[ترجمانِ وہابیہ:۱۲۱]

انگریز کی مخالفت کے حرام ہونے پر اتفاق

نواب صاحب آگے لکھتے ہیں:

’’اور نیز کل علماء ملک پنجاب و ہند نے تائید قول مولوی محمد حسین کو اس فتوی میں بہت سچا اور پکا کہا ہے اور سب نے اپنی اپنی رضائے اسلامی ایمانی سے اس فتویٰ کو قبول کیا ہے اور مانا ہے کہ: بمقابلہ گورنمنٹ ہند فرقہ موحدین کو ہتھیار اُٹھانا خلاف ایمان و اسلام ہے۔‘‘[ترجمانِ وہابیہ:۱۲۱]

مولانا عبدالمجید سوہدری صاحب غیر مقلد نے بھی بٹالوی صاحب کو انگریز حکومت کا خادم کہا ہے جیسا کہ آگے ’’سیرۃِ ثنائی صفحہ ۴۵۳‘‘ کے حوالہ سے آرہا ہے، اِن شاء اللہ۔

وفاداری کے صلہ میں انگریز سے جاگیریں پائیں

بٹالوی صاحب نے ’’**اَلْاِقْتِصَادُ فِیْ مَسَائِلِ الْجِهَاد**‘‘ رسالہ لکھا اور اس کے علاوہ بھی اپنی دوسری تحریروں مثلاً اخبار اشاعۃ السنہ میں جگہ جگہ انگریز کی پُرزور حمایت کی تو انگریز حکومت نے انہیں صلہ میں جاگیریں دیں۔

شمس العلماء کا خطاب اور اراضی کا عطیہ

محمد اشرف جاوید صاحب غیر مقلد (جامعہ سلفیہ فیصل آباد) بٹالوی صاحب کے متعلق لکھتے ہیں:

’’مولانا نے تنسیخِ جہاد کا موقف اختیار کیا۔ انگریز ایک اہلِ حدیث عالم کا یہ فتویٰ پا کر نہ صرف مسرور و مطمئن ہوئے بلکہ شمس العلماء کا خطاب دیا اور انعام میں اراضی عطا کی۔‘‘

[ہفت روزہ اہلِ حدیث ۲۸؍فروری ۱۹۹۷ء صفحہ ۱۶؍بحوالہ قہر الباری:۷]

انعام میں جاگیر

مولانا عبدالمجید سوہدری صاحب غیر مقلد نے بٹالوی صاحب کے بارے میں لکھا:

’’حکومت کی خدمت بھی کی اور انعام میں جاگیر پائی۔‘‘[سیرۃِ ثنائی:۴۵۳]

صلہ میں جاگیر

مولانا مسعود عالم ندوی صاحب غیر مقلد اُن کے متعلق لکھتے ہیں:

’’معتبر اور ثقہ راویوں کا بیان ہے کہ اس خدمت کے صلہ میں سرکار انگریز سے انہیں جاگیر بھی ملی تھی۔‘‘[پہلی اسلامی تحریک:۲۹]

عطیہ میں جاگیر

محمد تنزیل صدیقی غیر مقلد لکھتے ہیں:

’’حکومت وقت نے انہیں ’’جاگیر‘‘ بھی عطاء کی۔ یہ واحد اہلِ حدیث عالم دین ہیں جنہیں انگریزوں سے جاگیر ملی تھی۔‘‘[احناف کی تاریخی غلطیاں:۱۵۲]

انگریز سے چار مربع زمین لینے کا اعتراف

خود بٹالوی صاحب نے جاگیر وصول کرنے کا اعتراف کیا۔ان کا اخبار’’اشاعۃ السنہ‘‘ایک عرصہ بند رہا۔توقف کے بعد جب دوبارہ شائع ہوا تو اس میں توقف کی وجہ بٹالوی صاحب نے یوں بیان کی:

’’اس غیر معمولی توقف کی وجہ یہ ہوئی کہ خاکسار مؤلف رسالہ[بٹالوی(ناقل)]ایک اپنے ذاتی کام میں ایسا مصروف رہا کہ اس مصروفیت کے سبب وہ طبع شدہ حصہ رسالہ از۲رصفحہ بغایت ۳۲رکو بھی جو عرصہ ایک سال سے مطبع میں چھپا ہوا پڑا رہا،شائع نہیں کرسکا۔وہ کام یہ تھا کہ اس واہبِ حقیقی اور منعمِ اصلی نے خاکسار مؤلف رسالہ کو ہماری مہربان گورنمنٹ سے چار مربع زمین عطا کرائی ہے۔اس زمین کے انتظام آبادی میں خاکسار مصروف رہا۔وہ خداداد زمین اس کے فضل وتوفیق سے آباد ہوتی جاتی ہے۔دو فصل ربیع اور خریف کی کاشت کی برکات سے خاکسار متمتع ہوچکا ہے اور سوم فصل ربیع کی برکات کی تحصیل درپیش ہے اور چہارم فصل خریف کی کاشت کا اکثر حصہ ہوچکا ہے۔اس منعمِ حقیقی والی النعم سے اُمید ہے کہ اس فصل خریف کے اختتام پر تمام زمین آباد ہوجائے گی۔‘‘[اشاعۃ السنہ:۹۴/۱۹]

بٹالوی صاحب مزید لکھتے ہیں:

’’عطیہ الٰہیہ بواسطہ گورنمنٹ عالیہ مرزا[غلام احمد قادیانی(ناقل)]پر ناگوار گزرا۔اور اس کے دل کو صدمہ سخت پہنچا تو اس نے اس عطیہ کی نسبت...یہ فقرہ مشتہر کیا کہ ابوسعید محمد حسین کو سرکار سے زمین ملنی بھی ذلت ہے۔‘‘[اشاعۃ السنہ:۹۹۵/۱۹]

دونوں عبارتوں کا عکس مولانا حبیب الرحمٰن صاحب کی کتاب’’تاریخ ختمِ نبوت صفحہ ۳۸۳‘‘پر دیکھا جاسکتا ہے۔

☆......☆......☆......☆

حضرت شیخ الہند رحمہ اللہ کی نظر میں بھی......یزید’’پلید‘‘تھا۔

شیخ الہند حضرت مولانا محمود حسن دیوبندی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

’’......اول واقعہ میں’’فی زمن معاویہ‘‘ سے مراد ان کی سرداری کا زمانہ ہے۔جب وہ فوج کے سردار تھے۔البتہ دوسرے واقعہ میں وہ خود خلیفہ تھے اور سردار فوج یزید پلید تھا۔‘‘

[الورد الشذی:۲۵۴،مرتبہ:مولانا اصغر حسینؒ محدث دیوبند،مصدقہ:حضرت مدنیؒ]

مولانا سید عبدالناصر ترمذی

تعمیر بیت اللہ اور مقدس مقامات کا تاریخی جائزہ

تعمیر بیت اللہ کا ایک مختصر تاریخی جائزہ:

کعبۃ المشرفہ اللہ تعالیٰ کا وہ محترم گھر ہے جو کرۂ ارضی کے عین وسط میں سرزمین حجاز کے شہر مکۃ المکرمہ کی ایک مقدس وادی، وادی ابراہیم میں واقع مسجد الحرام کے وسط میں ایک مربع شکل کی عمارت ہے۔اس کا دروازہ قدآدم اونچائی پر ہے۔

قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ نے بھی اس کو کعبہ ہی کے نام سے معنون فرمایا ہے۔جیسا کہ سورۂ مائدہ میں ارشاد باری تعالیٰ ہے:جعل اللہ الکعبۃ البیت الحرام (المائدہ:۹۷)

بعض دوسرے ناموں سے بھی اسے منسوب فرمایا ہے جیسے:

''البیت''،''حرم''،''بیت العتیق''،''بیت الحرام''،''بیت المحرم''،اور''مسجد الحرام''وغیرہ۔ [قرآن حکیم]

تعمیر ملائکہ قبل آدم علیہ السلام: قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ:ان اول بیت وضع للناس للذی ببکۃ مبارکاًوھدی للعالمین(آل عمران:۹۶)

جس سے کعبۃ المشرفہ کا''اولین''ہونا اور ایک دوسری آیت سے''بیت العتیق''یعنی قدیم ترین گھر ہونا ثابت ہوتا ہے۔

تعمیر سیدنا آدم علیہ السلام: ابراہیم علیہ السلام کی تعمیر سے پہلے کعبۃ اللہ کی بنیادیں موجود تھیں۔جبکہ تخلیق اور زمین پر آدم علیہ السلام کا اتارا جانا بہت پہلے کا واقعہ ہے۔اس لیے عین ممکن ہے کہ تعمیر ملائکہ کے بعد سیدنا آدم علیہ السلام نے بھی اللہ تعالیٰ کی عبادت کے لیے اس کے حکم سے کعبۃ المشرفہ کی تعمیر کی ہو۔(تفسیر ابن کثیر)

تعمیر سیدنا شیث علیہ السلام: اولاد آدم علیہ السلام میں پہلا معروف نام سیدنا شیث علیہ السلام کا آتا ہے۔ چونکہ اس زمانے میں عمروں کی طوالت کی روایات مشہور ہیں،اس لیے عین ممکن ہے کہ آدم علیہ السلام کے بعد شیث علیہ السلام نے بھی سابقہ عمارت کے بوسیدہ ہو جانے یا منہدم ہو جانے پر کعبۃ اللہ کی باردگر تجدید و تعمیر کی ہو۔[روض الانف]

قواعد ابراہیمی: ارشاد ربانی ہے: واذیرفع ابراھیم القواعدمن البیت واسماعیل ربناتقبل منااانك انت السمیع العلیم (سورۃ البقرہ ۱۲۷)

اس آیت مبارکہ سے جہاں یہ تصدیق ہوتی ہے کہ ابرہیم علیہ السلام نے اپنے صاحبزادے اسماعیل علیہ السلام کے ساتھ مل کر کعبۃ المشرفہ کو تعمیر فرمایا، وہاں جملہ مفسرین کے مطابق یہ بھی ثابت ہوتا ہے کہ کعبہ ابرہیم علیہ السلام کی تعمیر سے پہلے بھی تعمیر ہو چکا تھا، اور یہ کہ انہوں نے کعبہ کو سابقہ بنیادوں پر ہی اٹھایا۔ جیسا کہ اس کی تصدیق عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ کے اس قول سے بھی ہوتی ہے کہ:

''وہ بنیاد جسے ابراہیم علیہ السلام نے اٹھایا وہ پہلے ہی سے بیت اللہ کی بنیاد تھی۔'' [فتح الباری]

کعبۂ مشرفہ کی تعمیر: ابراہیم علیہ السلام اور اسماعیل علیہ السلام نے مل کر کعبۃ المشرفہ کی دیواروں کو ایک پر ایک پتھر رکھ کر تعمیر کیا، جن کے درمیان گارا، مٹی یا چونا وغیرہ استعمال نہیں کیا گیا تھا۔ مشرقی دیوار میں دروازے کی صرف جگہ چھوڑی گئی تھی۔ نہ دروازہ لگایا گیا تھا اور نہ ہی دیواروں پر چھت قائم کی گئی تھی۔ بلکہ یونہی کھلا چھوڑ دیا گیا تھا۔ اندرون کعبہ داہنی جانب حضرہ یعنی کنواں نما گڑھا کھودا گیا تھا جو تین ہاتھ گہرا تھا، جس میں ہدایہ اور تحائف ڈالے جاتے تھے۔ کعبہ کا فرش باہر کی زمین کے برابر تھا، اونچا نہ تھا۔

[بخاری، مسلم]

تعمیر بیت اللہ کے مختلف مراحل:

اسحاق بن راہویہ نے بسند صحیح یہ روایت نقل کی ہے کہ سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

''حضرت ابراہیم علیہ السلام کے کافی عرصہ بعد جب کعبہ منہدم ہوگیا تو عمالقہ نے اس کی تعمیر کی۔ جب یہ تعمیر بھی منہدم ہوگئی تو اسے جرہم نے تعمیر کیا۔ پھر ایک زمانہ کے بعد جب کعبہ پھر منہدم ہوگیا تو اس کی تعمیر قریش نے کی''۔ [مسند اسحاق راہویہ]

قریش کی تعمیر سیدنا ابراہیم علیہ السلام کی تعمیر سے تقریباً ۲۶۴۵ سال بعد عمل میں آئی تھی۔

[تاریخ القدیم کردی]

چنانچہ ابراہیمی تعمیر جو بغیر گارے اور مٹی اور چونے کی تھی، ظاہر ہے کہ بہت دیرپا نہیں رہی ہوگی۔ اس لیے یقیناً اسے متعدد بار تعمیر کرنا پڑا ہوگا۔ لہٰذا عمالقہ اور جرہم نے اپنے اپنے عہد میں کعبہ کو انہدام کے بعد تعمیر کیا۔

ان کے بعد بنی خزاعہ کا دور آیا۔ اس دور میں شدید بارشوں کی وجہ سے ایک بڑا سیلاب بھی آیا تھا۔ جسے سیل فارۃ کہا جاتا ہے جس سے کعبہ منہدم ہوگیا تھا لہٰذا بنی خزاعہ نے بھی کعبۃ المشرفہ کی تعمیر کی۔

بنی خزاعہ کے بعد بنی کنانہ میں سے قصی بن کلاب کا ذکر بھی کتب تاریخ میں ملتا ہے، جنہوں نے

کعبہ کی از سرِ نو تعمیر کی۔ اگرچہ ان تمام ادوار کی تعمیرات کا حال تفصیل سے نہیں ملتا لیکن اس قدر ضرور ثابت ہوتا ہے کہ ان سب نے کعبۂ مشرفہ کو قدیم ابراہیمی بنیادوں پر علیٰ حالہ باقی رکھا اور کعبہ کے طول وعرض میں کوئی کمی بیشی نہیں کی۔[حیات سید العرب]

آنحضرت ﷺ کی تعمیر بیت اللہ میں شرکت: کعبۂ مشرفہ کی ابراہیمی تعمیر کے ۲۶۴۵/سال بعد اور بعثت نبوی سے پانچ سال قبل یعنی ۳۵/میلادی میں عہد قریش میں کعبہ کی وہ تعمیر عمل میں آئی جس میں آنحضرت ﷺ نے بنفس نفیس شرکت فرمائی۔ اور از سرِ نو تعمیر کے لیے تعمیر فنڈ اس شرط کے ساتھ اکٹھا کیا گیا کہ مال حرام قبول نہ کیا جائے گا۔

کعبۂ مشرفہ کی تعمیر شروع ہوئی تو آنحضرت ﷺ بھی اس میں شریک تھے اور چنائی کے لیے دیواروں کے پتھر اپنے کاندھوں پر رکھ کر لاتے۔

حجر اسود اور ایک عظیم نزاع: جب دیواریں حجر اسود کے مقام تک پہنچیں تو مختلف قبائل کے درمیان سے اپنے ہاتھ سے رکھنے کے معاملہ پر شدید اختلاف پیدا ہوگیا۔ بالآخر اتفاق اس بات پر ہوا کہ صبح جو شخص سب سے پہلے باب بنی شیبہ سے داخل ہو، فیصلہ اس پر چھوڑ دیا جائے۔ اگلی صبح غار حرا سے واپسی پر جب آپ ﷺ حرم میں داخل ہوئے تو آپ ﷺ کے سامنے یہ مقدمہ رکھا گیا۔ آپ ﷺ نے ایک بڑی سی چادر منگا کر حجر اسود کو اس کے درمیان میں رکھ کر تمام سرداران قبائل سے کہا کہ وہ اس چادر کو اٹھا کر حجر اسود کے مقام تک لائیں۔ جب حجر اسود اپنی بلندی تک آگیا تو آپ ﷺ نے اسے اپنے دست مبارک سے اٹھا کر اس کے مقام پر رکھ دیا، جس سے یہ نزاع ختم ہوگیا۔[اخبار مکہ]

اثنائے تعمیر اندازہ کیا گیا تو معلوم ہوا کہ تعمیری فنڈ اس قدر کم ہے کہ اگر ابراہیمی بنیادوں پر ہی کعبہ کو تعمیر کیا گیا تو تعمیر نامکمل رہ جائے گی۔ لہٰذا فیصلہ کیا گیا کہ حجر اسماعیل کی جانب سے کعبہ کو چھ ہاتھ ایک بالشت کم کر کے دیوار قائم کی جائے۔ چنانچہ اس دیوار کو ابراہیمی بنیادوں پر نہیں بلکہ خود ساختہ بنیاد پر قدرے گولائی کے ساتھ تعمیر کیا گیا۔ جس سے دو ارکان یعنی رکن عراقی وشامی ختم ہوگئے۔ حجر اسماعیل کی جگہ کہیں زیادہ کشادہ ہوگئی۔ حجر اسماعیل کی چھوٹی دیوار تعمیر کی گئی تاکہ لوگ اس علامت کے باہر سے طواف کریں۔

[شفاء الغرام]

تعمیر سیدنا عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ: خانۂ کعبہ کی قریشی تعمیر ۶۴ھ تک باقی رہی۔ سوائے اس کے کہ ۸ھ میں آنحضرت ﷺ نے کعبۂ مشرفہ کو بتوں، مجسموں اور تصاویر کی غلاظت سے پاک کر دیا تھا۔ یزید بن معاویہ کی حکومت میں ۶۴ھ میں اس کے کمانڈر حصین بن نمیر کندی نے مسجد الحرام کا محاصرہ کر لیا جہاں عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ موجود تھے۔ اس دوران اس نے جبل ابی قبیس پر منجنیق لگا کر بے تحاشہ سنگباری کی۔ جس

سے کعبہ مشرفہ کی تمام دیواریں چٹخ گئیں۔ حجر اسود تین جگہ سے پھٹ گیا اور مسجد الحرام کو بھی سخت نقصان پہنچا۔
دوران محاصرہ یزید کی خبر مرگ پہنچی تو حصین بن نمیر محاصرہ ناتمام چھوڑ کر مدینہ ہوتا ہوا شام واپس چلا گیا۔

جب حالات معمول پر آ گئے اور عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ مکہ کے حاکم ہوئے تو انہوں نے سب سے پہلے توجہ کعبۂ مشرفہ کی از سر نو تعمیر کی طرف کی۔ اور بروز ہفتہ نصف جمادی الاخریٰ ۶۴ھ کعبہ کو کلیۃً منہدم کر کے ابراہیمی بنیادوں پر نئے سرے سے کعبہ کی تعمیر کے کام کا آغاز کیا۔ [تاریخ کعبہ]

تعمیر بیت اللہ اور بناء ابراہیمی: کعبہ کو جب فرش تک منہدم کیا جا چکا تو بنیاد ابراہیمی تک پہنچنے کے لیے پہلے حجر اسماعیل کی جانب سے کھدائی کی ابتدا کی گئی۔ چھ ہاتھ ایک بالشت کھدائی ہونے پر بنیا ابراہیم تک پہنچنا ہوا۔ چاروں جانب کھدائی کے بعد جب بنیاد ابراہیمی پوری طرح نمایاں ہوگئی تو معلوم ہوا کہ بنیاد کے پتھر انگلیوں کی طرح ایک میں ایک، گتھی ہوئی اونٹ کی گردنوں کی طرح تھے۔ چنانچہ اگر ایک پتھر ہل جاتا تو سارے ارکان ہل اٹھتے۔ بلکہ عبداللہ بن مطیع عدوی نے جو بہت طاقتور تھے، ایک رکن میں "رما" ڈال کر جو ہلایا تو پورا مکہ ہل گیا۔ جس سے اہل مکہ خوفزدہ ہو گئے۔

عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ نے اہل مکہ کو بنیاد ابراہیمی کا مشاہدہ کرایا اور انہیں گواہ بنانے کے بعد کعبۂ مشرفہ کی تعمیر آنحضرت ﷺ کی تمنا کے مطابق بتمام وکمال مکمل کی۔ [تاریخ کردی]

حجر اسود: حجر اسود جو دوران محاصرہ سنگباری اور آتش زنی کے واقعات کی وجہ سے تین حصوں میں پھٹ گیا تھا، اسے احتیاط سے نکال کر چاندی سے اس کی اصلاح کی گئی اور پھر ریشم میں رکھ کر ایک صندوق میں مقفل کر کے دارالندوہ میں رکھوا دیا گیا۔ جب تعمیر مقام حجر اسود تک پہنچ گئی تو دو پتھروں کو کھود کر اس میں رکھ دیا گیا۔ [تاریخ القدیم]

تکمیل تعمیر: جب کعبہ کی تعمیر مکمل ہوگئی تو عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ نے بمع معاصرین تنعیم سے عمرے کا احرام باندھ کر عمرہ ادا کرتے ہوئے کعبہ کے چاروں ارکان کا پہلی بار استلام کیا۔ ابراہیمی بنیادوں پر اٹھائی گئی یہ تعمیر دس سال تک قائم رہی۔ [تاریخ القدیم]

تعمیر حجاج بن یوسف: ۷۴ھ میں حجاج بن یوسف نے محاذ آرائی کر کے حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ کو شہید کر دیا۔ پھر مکہ پر اپنا تسلط قائم کر کے اس نے عبدالملک بن مروان کو عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ سے خصومت کی بنیاد پر گمراہ کن خط لکھ کر ان پر کعبہ کی تعمیر میں ذاتی اختراعات کے الزام لگاتے ہوئے ردوبدل کی اجازت چاہی۔ جب اجازت مل گئی تو اس نے کعبہ کی جملہ تعمیرات کو پھر عہد جاہلیت کی تعمیر پر لوٹا دیا۔

اگلے سال ۷۵ھ میں جب عبدالملک بن مروان حج کے لیے مکہ آیا تو اسے اصل صورت حال کا علم ہوا۔ اس نے کعبہ مشرفہ کو دوبارہ زبیری تعمیر پر لوٹانے پر آمادگی ظاہر کی لیکن علماء نے اس کی اجازت نہیں دی۔

یہ کوشش اگر چہ بعدازاں ہارون رشید نے بھی کی لیکن امام مالک رحمہ اللہ تعالیٰ اور تمام علماء نے اسی احتیاط کی بناء پراجازت نہ دی کہ کعبہ مشرفہ کواصحاب اقتدار کا بازیچۂ اطفال نہیں بنایا جاسکتا۔جیسا کہ حجاج نے محض خصومت زبیری کے سبب کعبۂ اطہر کواپنی تیرہ باطنی کا نشانہ بنایا تھا۔[البدایة والنهایة]

تعمیر عثمانی: ۷۴ھ کے بعد۱۰۳۹ھ تک کعبہ مشرفہ کی دوبارہ تعمیر کی ضرورت پیش نہیں آئی۔سوائے اس کے کہ میزابی شمالی دیوار کی مرمت کی جاتی رہی۔یاباب کعبہ کوتبدیل کیا گیا، اندرونی کعبہ، زینہ اوراس کے ستون بدلے گئے یامیزاب رحمت پرسونے کا خول چڑھایا گیا۔اسی طرح چھت پر بھی ہلکا پھلکا کام کیا جاتا رہا۔

۱۰۳۹ھ میں ۱۹/شعبان بروز بدھ بوقت صبح مکہ مکرمہ اوراس کے گردونواح میں تاریخ مکہ میں پہلی بارنہایت شدید بارش ہوئی۔جس کے نتیجے میں پانی کا سیلاب عظیم مسجد الحرام میں داخل ہوگیا اوراس قدر پانی بھرگیا کہ قفل کعبہ سے بھی دومیٹراوپرتک پانی ہی پانی تھا۔اگلے دن بروز جمعرات عصر کے وقت پہلے حجراسماعیل کی جانب کی شمالی دیوارکعبہ گری، پھرشرقی دیواردروازے تک۔اورغربی نصف دیوار منہدم ہوگئی اورپھرچھت بھی گرگئی۔

یہ سلطان مرادخان آل عثمان کا عہدحکومت تھا۔چنانچہ سلطان مراد نے کعبہ کی ازسرنوتعمیر کے لیے تمام ضروری اقدامات کیے۔عہدزبیری کی قائم کردہ مضبوط بنیادوں پرہی دیواروں کوتعمیر کیا گیا۔دیواروں میں لگانے کے لیے جبل کعبہ(جبل شبیکه)سے ہی تمام پتھروں کوحاصل کیا گیا۔[شفاءالغرام]

حجراسود: حجراسودایک قدیمی تاریخی پتھر ہے۔اورعہدابراہیمی سے کعبۃ اللہ کے شرقی جنوبی رکن میں نصب ہے۔[تفسیرابن جریر]

حجراسوداگر چہ پتھرہی ہے لیکن یہ کعبۃ اللہ کے پتھروں یاعام پتھروں سے قطعی مختلف ہے۔[ازرقی]

ارشادات نبوی کے مطابق یہ جنت کا یاقوت ہے۔[صحیح ابن حبان،سنن ترمذی]

یہ نہ پانی میں ڈوبتا ہےاورنہ آگ میں گرم ہوتا ہے۔[المسجد الحرام،تاریخہ واحکامہ]

حجراسودکارنگ: جیسا کہ حجراسود کے نام سے ظاہرہوتاہے کہ یہ سیاہ رنگ کا پتھر ہے۔جبکہ غور سے دیکھا جائے تو یہ مطلقاً سیاہ نہیں بلکہ سرخی مائل سیاہ ہے۔اس سلسلہ میں آنحضرت ﷺ سے مروی ہے کہ آپ نے فرمایا:

’’حجراسوددَہی کی طرح(یادوسری روایت میں برف کی طرح)سفید تھالیکن مسح مشرکین کی وجہ سے اس کارنگ ایساہوگیاہے‘‘۔[ازرقی]

مجاہد کہتے ہیں کہ:’’عبداللہ بن زبیررضی اللہ عنہ کی تعمیر کے وقت میں نے حجراسودکودیکھاتووہ اندرسے سفید تھا‘‘۔[فاکہی]

محمد بن نافع الخزاعی بیان کرتے ہیں کہ:

''۳۳۹ھ میں جب قرامطہ سے واپسی پر تنصیب حجراسود کے موقع پر میں نے دیکھا تو اس کی محض بالائی سطح سیاہ تھی جبکہ وہ اندر سے تمام تر سفید تھا۔'' [الاشاعۃ فی اشراط الساعۃ]

امام بن علان المکی کہتے ہیں کہ: ''۱۰۳۹ھ میں تعمیر سلطان مراد خان کے موقعہ پر میں نے حجراسود کو دیکھا تو وہ اندر سے سفید تھا۔'' [العلم المفرد]

حجراسود کی بلندی: عہد ابراہیمی سے ہی حجراسود کو اسی جگہ پر نصب کیا جاتا رہا ہے، جہاں وہ آج تک نصب ہے۔ ارض مطاف سے اس مقام کی بلندی کوئی ڈیڑھ میٹر ہے۔ جس کی خوبی یہ ہے کہ ہر طویل وقصیر بچے اور بوڑھے اور ہر قد وقامت کے لوگ بآسانی اس کی تقبیل کر لیتے ہیں۔ اور طواف کے ہر شوط کی ابتدا اور انتہاء اس پر کی جاتی ہے۔ چنانچہ حجراسود اپنی اسی حیثیت کی وجہ سے اس شرقی جنوبی رکن میں اپنی منفرد اور امتیازی شان کا مالک ہے۔

''حجراسود'' زمین پر اللہ کا داہنا ہاتھ ہے۔ جس سے وہ اپنے بندوں سے مصافحہ کرتا ہے جیسا کہ کوئی اپنے بھائی سے ملتا ہے تو پہلے ہاتھ ملاتا ہے۔ [ازرقی]

حجراسود اللہ کا داہنا ہاتھ ہے، جس سے وہ اپنے بندوں سے ہاتھ ملاتا ہے۔ [ابن خزیمہ]

حجراسود اور رکن یمانی کے استلام سے گناہ معاف ہوجاتے ہیں۔ [صحیح ابن حبان]

حجراسود کی ایک زبان اور دو ہونٹ ہوں گے جن سے وہ بروز قیامت اپنا استلام کرنے والوں کی گواہی دے گا۔ [المستدرك للحاكم]

حجراسود کو قیامت کے دن لایا جائے گا تو وہ جبل احد کے برابر ہوگا اور وہ اپنا استلام اور تقبیل کرنے والوں کی گواہی دے گا۔ [سنن بیہقی]

زمین پر جنت کی چیزوں میں سے حجراسود اور مقام ابراہیم کے علاوہ اور کوئی چیز نہیں ہے، یہ دونوں جنت کے موتیوں میں سے ہیں۔ ان کو جب بروز قیامت لایا جائے گا تو یہ جبل ابی قبیس کے مانند ہوں گے۔ ان کی آنکھیں بھی ہوں گی اور ہونٹ بھی جن سے وہ حق وفا ادا کرنے والوں پر گواہی دیں گے۔ [فاکہی]

رقت کا مقام: آنحضرت ﷺ نے حجراسود کو بوسہ دیا۔ پھر اس پر اپنی پیشانی رکھی اور آپ ﷺ دیر تک گریہ کناں رہے، جب آپ نے پیچھے مڑ کر دیکھا تو سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کو بھی آبدیدہ پایا۔ آپ ﷺ نے فرمایا:

''اے عمر! یہی تو وہ جگہ ہے جہاں یہ کیفیت طاری ہوتی ہے''۔ [بخاری، ابن ماجہ]

حجراسود نور سے معمور تھا۔ اگر اللہ تبارک تعالیٰ اس کے نور کو چھپا نہ دیتا تو شرق وغرب اس کے نور سے معمور ہو جاتے۔ [درمنثور]

قیامت سے پہلے پہلے حجر اسود اور قرآن مجید کو اٹھا لیا جائے گا۔ اور آنحضرت ﷺ کا خواب میں آنا بند ہو جائے گا۔[ازرقی]

بوسہ گاہ رسول ﷺ: آپ ﷺ حجر اسود پر تشریف لاتے تو اسے مس فرماتے اور ہاتھوں کو بوسہ دے لیتے۔ حجر اسود کو تین بار چومتے۔ پھر اس پر پیشانی رکھتے۔ جیسا کہ ابن عباس رضی اللہ عنہ کی روایت حاکم و صحیح ابن خزیمہ وغیرہ میں ہے۔ یا متعدد احادیث جن میں آپ کے استلام وتقبیل کی کیفیات بیان ہوئی ہیں۔ اور جیسا کہ استلام حجر اسود کے موقعہ پر کہا جاتا ہے...واتباعاً لسنة نبيك محمد صلى الله عليه وسلم۔[صحیح ابن خزیمہ]

چنانچہ اہل اسلام کے لیے یہ حجر اسود کی بہت بڑی فضیلت ہے کہ وہ اس پتھر کو بوسہ دیتے ہیں، جسے آپ ﷺ نے بوسہ دیا تھا۔ وہ اس مقام پر اپنا منہ اور ہونٹ رکھتے ہیں جہاں دہن مبارک اور لب ہائے مبارک رکھے گئے تھے۔

شعار طواف: حجر اسود کا استلام طواف کا شعار ہے۔ آپ ﷺ نے پہلے استلام کیا ہے اور پھر طواف۔ یہ استلام تقبیل کی صورت میں بھی مسنون ہے، بذریعۂ عصا بھی اور ازدحام کی وجہ سے صرف اشارہ پر اکتفا کی صورت میں بھی مسنون ہے۔[فاکہی]

ازدحام کے وقت استلام: شارع علیہ الصلوٰۃ والسلام نے استلام حجر اسود کو سنت لیکن مؤمن کو ایذاء پہنچانا حرام مقرر کیا ہے۔ اس لیے آپ ﷺ کا عمل بھی تھا اور حکم بھی کہ ازدحام کی صورت میں جو بھی احتیاط ممکن ہو کی جائے۔

استلام کے بعد چہرے پر ہاتھ پھیرنا: حجر اسود کی تقبیل یا استلام کے بعد جہاں ہاتھوں کو چومنے کا حکم ہے وہاں یہ بھی مستحسن ہے کہ اپنے ہاتھوں کو چہرے پر پھیر لیا جائے۔ جیسا کہ دعا کے بعد ہاتھوں کو چہرے پر پھیرا جاتا ہے۔[مصنف عبدالرزاق]

بوسہ کا طریقہ: تقبیل حجر اسود کی صورت میں یہ احتیاط ضروری ہے کہ بوسہ لیتے وقت آواز پیدا نہ ہو۔ [مناسک، ملا علی قاری]

باب کعبہ: سیدنا ابراہیم علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ کے حکم سے کعبہ مشرفہ کی جب تعمیر کی تو دیواروں کو پتھر پر پتھر رکھ کر تعمیر کیا تھا۔ دیواروں پر چھت نہیں ڈالی تھی، دروازے کی جگہ خالی چھوڑی گئی تھی۔[اخبار مکہ]

پہلی بار دروازہ کب لگایا گیا: ابن جریج کی روایت کے مطابق "تبع اول" پہلا شخص تھا جس نے کعبۂ مشرفہ کو غلاف بھی پہنایا تھا اور دروازہ بھی لگایا تھا۔ اور ظاہر ہے کہ یہ تعمیر قریش سے پہلے کی بات ہے اور جب قریش نے کعبۂ اطہر کو تعمیر کیا تو انہوں نے بھی دو پٹ کا دروازہ لگایا۔[تاریخ الکعبہ]

بیت اللہ کے دو دروازے: عہد اسلام میں پہلی بار جب عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ نے کعبہ مشرفہ کو ابراہیمی بنیادوں پر آنحضرت ﷺ کی تمنا کے مطابق تعمیر کیا تو بیت اللہ کے دروازے بھی ایک کی بجائے دو قائم کئے تھے۔ ایک تو حسب سابق شرقی دیوار میں اور دوسرا شرقی دروازے کے عین سامنے غربی دیوار میں۔ تاکہ بیت اللہ کے اندر جانے والے زائرین ایک دروازے سے داخل ہو کر بآسانی غربی دروازے سے باہر نکل سکیں۔

عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ کے ہاتھ کا رکھا ہوا غربی دروازے کا بالائی لکڑی کا بیم ابھی تک غربی دیوار کعبہ میں محفوظ ہے۔[اخبار مکہ]

حجاج بن یوسف ثقفی نے عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ کے تعمیر کردہ بیت اللہ کو اپنی ترمیمات کے ذریعہ عہد جاہلیت کی تعمیر پر پھر سے لوٹا دیا۔[ازرقی]

تاریخ ابواب کعبہ میں پہلی بار شاہ خالد بن عبدالعزیز آل سعود نے یہ اہتمام کیا کہ خالص سونے کا دروازہ تیار کرایا۔ جسے پرانے دروازے کو تبدیل کر کے ۱۳۹۹ھ/۱۹۷۹ء میں نصب کیا گیا۔

حجر اسماعیل علیہ السلام اور حطیم: کعبۂ مشرفہ کی شمالی دیوار جس میں میزاب رحمت لگا ہوا ہے۔ اس کے سامنے ایک کھلا ہوا حصہ دائرہ نما ایک چھوٹی دیوار سے گھرا ہوا ہے۔ یہی حصہ حجر اسماعیل کہلاتا ہے۔ حجر پتھر کو کہا جاتا ہے اور حجر کے معنیٰ پہلو یا گود کے بھی ہیں۔ چونکہ اسماعیل علیہ السلام کی یہ رہائش گاہ کعبۂ اطہر کے پہلو میں واقع تھی، اس لیے حجر اسماعیل علیہ السلام کے نام سے مشہور ہے۔ اس کے پہلو میں پیلو کے درخت گولائی میں لگے ہوئے تھے۔ یہیں پر ان کی بکریوں کا باڑہ تھا۔[مرآۃ الحرمین]

۳۵ء میلادی میں جب کعبۂ مشرفہ کی قریشی تعمیر عمل میں آئی تو تعمیر فنڈ کی کمی کی وجہ سے کعبۂ اطہر کو شمال کی طرف سے چھوٹا کر دیا گیا۔ اور یہ چھوٹا ہوا حصہ حجر اسماعیل میں شامل کر دیا گیا۔[مرآۃ الحرمین]

گویا کعبہ کے شمالی جانب کا گول دیوار تک کا حصہ حجر اسماعیل کا ہے، اس پورے حصے کو نہ تو حطیم کہنا صحیح ہے اور نہ ہی حجر اسماعیل۔ اس لیے عوام میں جو ابہام پیدا ہو گیا ہے، اسے سمجھ لینا چاہیے کیونکہ بعض اس پورے حصہ کو حطیم کہنے لگتے ہیں اور بعض اس مشترک حصہ کو ہی حجر اسماعیل سمجھتے ہیں۔ جو ایک بہت بڑی غلطی کے مترادف ہے کیونکہ کعبہ کی میزاب رحمت والی دیوار خود ساختہ بنیادوں پر قائم ہے۔ اور اس کے دونوں ارکان (رکن عراقی و رکن شامی) بنیادِ ابراہیمی پر قائم نہیں ہیں۔ اور اسی وجہ سے ان کا استلام بھی نہیں کیا جاتا جب کہ اس دیوار کی اصل بنیاد، ابراہیمی بنیاد پر ہونی چاہیے تھی۔

میزاب رحمت: تعمیر ابراہیمی سے لے کر تعمیر قریشی تک کعبۂ مشرفہ پر چھت تھی اور نہ میزاب کی کوئی ضرورت۔ لیکن جب قریش نے پہلی بار کعبہ پر چھت قائم کی تو بارش وغیرہ کے پانی کے اخراج کے لیے

ضرورت کی بناء پر کعبۂ اطہر کی شمال حجر اسماعیل کی جانب والی دیوار کے وسط میں ایک پرنالہ بھی قائم کیا۔جو اسلامی عہد میں میزاب رحمت کے نام سے موسوم ہوا۔[تاریخ القدیم،کردی]

بروایت اذرقی مسنون ہے کہ دوران طواف میزاب رحمت کے محاذ سے گزرتے ہوئے یہ دعا پڑھی جائے:

اللهم انی اسئلك الراحة عندالموت والعفو عندالحساب۔[اخبار مکہ]

اسی طرح ایک اور دعا ہے جو محاذ میزاب پر اثنائے طواف پڑھی جاتی ہے:

اللهم اظلنی تحت ظلك،یوم لاظل الاظلك۔واسقنی بكأس محمدصلی الله علیه وسلم شربةهنيئة مريئة لااظمأ بعدهاابدا.

مقام ابراہیم: مسجد الحرام مکۂ مکرمہ میں کعبۂ اطہر سے قدرے مشرقی شمال کی جانب شیشے کا ایک قبہ نما فریم ہے۔ان جالیوں کے اندر سے اس پتھر پر بنے ہوئے نقش قدم کو بآسانی دیکھا جاسکتا ہے جسے''مقام ابراہیم'' کے نام سے غیر معمولی شہرت حاصل ہے۔اس پتھر پر حضرت ابراہیم خلیل اللہ علیہ السلام کے قدمین شریفین کا نشان بطور معجزہ بنا ہوا ہے۔طواف کے بعد اسی مقام کے پیچھے کھڑے ہوکر دو رکعت نماز ادا کی جاتی ہے۔

ابراہیم علیہ السلام نے اسی پتھر پر کھڑے ہوکر کعبہ اطہر کی تعمیر فرمائی تھی۔اور بیت اللہ کی تعمیر مکمل ہونے کے بعد اسی پتھر پر کھڑے ہوکر پوری دنیا کو کعبۂ اطہر کے طواف اور حج وزیارت کی دعوت دی تھی۔
[فتح الباری]

مقام ابرہیم الخلیل علیہ السلام حجر اسود کی طرح قدیم ہے۔احادیث صحیحہ سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ یہ دونوں پتھر جنت سے آئے ہیں اور وہاں کے یاقوت ہیں۔[مسند احمد]

مقام ابراہیم کی ساخت: مقام ابراہیم اپنی ساخت کے اعتبار سے ایک نرم پتھر ہے۔اس میں سختی نہیں ہے۔[تاریخ کعبہ]

یہ جنت سے نازل شدہ یاقوت ہے۔[صحیح ابن خزیمہ]

یہ مربع شکل کا ایک پتھر ہے،جو ایک ہاتھ لمبا،ایک ہاتھ چوڑا،اور ایک ہی ہاتھ اونچا ہے۔اس پر حضرت ابراہیم علیہ السلام کے دونوں قدم قدرے ترچھے اور کوئی سات انگشت کے برابر گہرائی میں ہیں۔دونوں قدموں کے درمیان دو انگشت کا فاصلہ ہے۔[اخبار مکہ]

مقام ابراہیم میں قدموں اور انگلیوں کے نشانات کی موجودگی ہمیشہ سے معروف رہی ہے،جو آج بھی صاف طور پر نمایاں ہے،چنانچہ حضرت انس رضی اللہ عنہ کا قول ہے:

''میں نے مقام ابراہیم میں پیروں کی انگلیوں اور تلوے کے نشانات خود دیکھے ہیں''۔[تفسیر ابن

کثیر]

مقام ابراہیم کے ان نشانات کو چار ہزار سال سے زیادہ کا عرصہ گزر چکا ہے، لیکن اس کے باوجود اس کی نشانیاں اور قدموں کی ہیئت ہنوز باقی ہے۔ اور یہ ان شاء اللہ قیامت تک باقی رہے گی کیونکہ اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں اسے اپنی کھلی ہوئی نشانی قرار دیا ہے۔

مقام ابراہیم کی جگہ: روایات صحیحہ کی روشنی میں راجح تر یہی قول ہے کہ مقام ابراہیم ہمیشہ ہی سے اسی مقام پر رکھا ہوا ہے اور اس کے مقام میں کبھی کوئی تبدیلی عمل میں نہیں آئی۔

۱۷ھ میں جو مشہور سیلاب آیا تھا جسے ''ام نہشل'' کے نام سے یاد کیا جاتا ہے۔ اس سیلاب کے نتیجہ میں ''مقام ابراہیم'' حرم سے نکل کر پانی کے بہاؤ کی وجہ سے محلّہ مسفلہ میں پہنچ گیا تھا۔ جب اس کی اطلاع حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو ملی تو آپ فوراً مکہ پہنچے اور لوگوں سے اس کی صحیح جگہ کے بارے میں دریافت کیا، چنانچہ مطلب ابی وداعہ سہمی رضی اللہ عنہ نے کہا کہ مجھے اس کی جگہ کا صحیح صحیح علم ہے۔ اس بات کا مجھے پہلے ہی اندیشہ تھا جس کے پیش نظر میں نے ایک رسی کے ذریعہ مقام ابراہیم سے حجر اسود تک، پھر حجر اسماعیل کے دروازے سے مقام ابراہیم تک اور مقام ابراہیم سے بئر زمزم تک پیائش کر کے رکھ لیا تھا۔ یہ رسی میرے گھر میں محفوظ ہے۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ان سے کہا: ''آپ میرے پاس بیٹھ جائیں اور گھر کسی کو بھیج کر وہ رسی منگوالیں''۔ جب رسی آ گئی تو آپ نے ان کے قول کے مطابق مذکورہ مقامات سے پیائش کی تو یہ جگہ متعین ہوئی جہاں اس وقت مقام ابراہیم نصب ہے۔ مزید تائید کے لیے آپ نے لوگوں سے مشورہ لیا تو سب نے مقام کی اس جگہ کی تصدیق کی۔ پھر حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے مقام کی جگہ پر بنیاد کھودنے کا حکم دیا اور پھر مقام ابراہیم کو وہاں نصب فرمایا۔ چنانچہ مقام ابراہیم آج تک اسی جگہ پر ہے۔[اخبار مکہ]

فضائل مقام ابراہیم: قرآن مجید میں ارشاد ربانی ہے: واذ جعلنا البیت مثابۃً للناس وامنا واتخذوا من مقام ابراھیم مصلّٰی۔[البقرہ:۱۲۵]

اس آیت مبارکہ میں جہاں بیت اللہ کے شرف کا تذکرہ ہے کہ لوگوں کے جمع ہونے (بغرض عبادت) اور امن کا مقام ہے۔ وہیں مقام ابراہیم کے بارے میں خصوصی طور پر ارشاد فرمایا گیا ہے کہ: ''اسے نماز کی جگہ بناؤ''۔

چنانچہ طواف بیت اللہ کے بعد اس مقام پر ادائیگی نماز کا حکم مؤکدہ ہے۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے: ان اول بیت وضع للناس للذی ببکۃ مبارکاً وھدی للعٰلمین فیہ آیات بینات مقام ابراھیم ومن دخلہ کان آمنا.[آل عمران :۹۶،۹۷]

اس آیت مبارکہ میں جہاں کعبہ مشرفہ کی اولیت ، برکت اور اہل عالم کے لیے سرچشمۂ ہدایت ہونے کی فضیلت کا ذکر ہے وہیں یہ بھی ظاہر کیا گیا ہے کہ یہاں اللہ تعالیٰ کی کھلی نشانیاں موجود ہیں۔ پھر ان نشانیوں میں سے خاص طور پر مقام ابراہیم کا ذکر کیا گیا ہے۔ جب کہ دوسری نشانیوں کا نام نہیں لیا گیا ہے۔

مقام ابراہیم کے اوصاف: تعمیر بیت اللہ کے موقع پر جب پتھر کو دیوار کی بلندی پر رکھنا ہوتا تو یہ خود بخود اتنا بلند ہو جاتا تھا جتنا کہ ضرورت ہوتی تھی۔ اور جب ابراہیم علیہ السلام کو نیچے سے حضرت اسماعیل علیہ السلام سے پتھر لینا ہوتا تھا تو یہ خود بخود نیچا ہو جاتا تھا، حالانکہ پتھر میں یہ وصف نہیں ہوتا کہ وہ اونچا ہو جائے یا خود بخود نیچا ہو جائے، نہ یہ شعور ہوتا ہے کہ کب اسے اوپر اٹھنا اور اونچا ہونا ہے اور کب اسے نیچا ہونا ہے۔ [فاکہی]

تکمیل تعمیر بیت اللہ پر جب ابراہیم علیہ السلام کو حکم ہوا کہ وہ اہل عالم کو اطراف واکناف سے اس گھر کے حج وزیارت کے لیے دعوت دیں تو آپ علیہ السلام اسی مقام پر کھڑے ہوئے۔ اس وقت یہ پتھر اس قدر بلند ہوا کہ جیسے جبل ابی قبیس، پھر آپ نے اذان دی تو آپ کی آواز کو انہوں نے بھی سنا جو بقید حیات تھے، انہوں نے بھی سنا جو اپنی ماؤں کے شکموں میں تھے اور انہوں نے بھی سنا جو اپنے باپوں کے صلبوں میں تھے۔ [فتح الباری]

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ:

”مقام ابراہیم اور حجر اسود جنت کے یاقوتوں میں سے ہیں اور انہیں قیامت سے پہلے پہلے اٹھالیا جائے گا۔“ [فاکہی]

ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

زمین پر اشیائے جنت میں سے حجر اسود اور مقام ابراہیم کے علاوہ اور کوئی بھی چیز نہیں ہے۔ ان دونوں کو جب بروز قیامت لایا جائے گا تو ان کی آنکھیں اور ہونٹ نظر آتے ہوں گے جن سے وہ لوگوں کے اپنے ”**عہد الست**“ کی پاسداری پر گواہی دیں گے۔ یہ اس وقت اتنے قدآور ہوں گے جیسے جبل ابی قبیس۔ [الدر المنثور: للسیوطی]

آب زم زم: زم زم ”اسم علم“ ہے۔ یہ اس کنویں کے لیے بولا جاتا ہے جو مکہ مکرمہ میں مسجد الحرام کے وسطی حصہ میں واقع ہے۔ [لسان العرب]

لغوی اعتبار سے زم زم کے معنیٰ ”رک جا، رک جا“ کے بھی ہیں، اور پانی کی بہت بڑی مقدار کے بھی۔ [شفاء الغرام]

بقول قتیبہ زم زم پانی کی آواز کو بھی کہا جاتا ہے۔

اس کا پانی ہمیشہ سے محترم اور مقدس سمجھا جاتا رہا ہے۔ اس سے برکت حاصل کرنے کے لیے

زائرین نہ صرف اسے پیتے ہیں بلکہ بطور تبرک اپنے ساتھ بھی لے جاتے ہیں اور تقسیم بھی کرتے ہیں۔

زم زم کی دریافت: جب اللہ تعالیٰ نے اس سرزمین میں اپنے حرم اور مرکز عبادت ورشد وہدایت کے قیام کا فیصلہ کیا تو سیدنا ابراہیم علیہ السلام کو حکم دیا کہ وہ اپنے لخت جگر اسماعیل علیہ السلام اور اپنی زوجہ محترمہ حضرت ہاجرہ کو لے کر اس وادی بے آب وگیاہ کی طرف ہجرت کر جائیں۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے حکم الٰہی کے بموجب سفر ہجرت اختیار کیا اور شیر خوار اسماعیل علیہ السلام اور ان کی والدہ حضرت ہاجرہ کو مکہ مکرمہ کی اس وادی میں جہاں زم زم ہے، لا بسایا، پانی اور کھجور پر مشتمل جو زادِ سفر ساتھ لایا گیا تھا چھوڑ کر حضرت ابراہیم علیہ السلام واپس چلے گئے لیکن جب یہ ساتھ لایا ہوا زادِ سفر ختم ہوگیا تو پیاس کی شدت نے اسماعیل علیہ السلام کو بے چین کر دیا۔ مامتا سے یہ منظر دیکھا نہ گیا تو وہ بے تابانہ پانی کی تلاش میں سرگرداں ہوگئیں، سامنے صفا کی بلندیوں پر چڑھیں، اِدھر اُدھر دیکھا پھر اتریں اور دوسری جانب روانہ ہوئیں مگر اس طرح کہ اسماعیل علیہ السلام نظروں سے اوجھل نہ ہونے پائیں۔ مروہ کی طرف جاتے ہوئے کچھ نشیبی جگہ تھی، جہاں سے اسماعیل علیہ السلام نظر نہیں آرہے تھے تو اسی فاصلہ کو دوڑ کر طے کیا۔ پھر مروہ کی بلندیوں سے دوسری جانب نظر ڈالی، مگر پانی کہیں نہ تھا۔ بے کلی کی اس حالت میں صفا سے مروہ یہ ساتویں چڑھائی تھی کہ حضرت ہاجرہ نے آواز سنی، آہٹ پر نظر گئی تو دیکھا کہ ایک فرشتہ اسماعیل علیہ السلام کے پاس موجود ہے۔ دوڑ کر آئیں تو جبریل امین نے تسلی کے کلمات کہے۔ پھر زمین پر اپنا پیر مارا تو زمین سے پانی کا وہ چشمہ جاری ہوا جو ''زم زم'' کہلایا۔

الغرض! حضرت ہاجرہ نے زم زم (رک جا، رک جا) کہتے ہوئے بہنے والے پانی کے لیے باڑ بنائی تا کہ پانی جمع ہو جائے اور بہہ کر ضائع نہ ہو، پھر اسماعیل علیہ السلام کو پلایا اور مشکیزہ بھر لیا۔

اسماعیل علیہ السلام زندگی کی منازل طے کرتے ہوئے، اس لائق ہوگئے کہ تعمیر کعبہ کے موقع پر اپنے باپ ابراہیم علیہ السلام کی مدد کر سکیں۔ جس کا اللہ تعالیٰ نے انہیں حکم دیا تھا۔ چنانچہ اسماعیل علیہ السلام کعبہ کی دیواروں کے لیے پتھر اٹھا کر لائے اور ابراہیم علیہ السلام انہیں دیواروں پر چنتے جاتے۔

قبلیہ بنو جرہم میں حضرت اسماعیل علیہ السلام کی شادی ہوئی۔ جس سے آپ علیہ السلام کی نسل چلی اور بعد کو اسی کی ایک شاخ قبیلۂ قریش سے خاندان بنو ہاشم میں آنحضرت ﷺ بحیثیت خاتم النبیین اسی شہر مکہ میں پیدا ہوئے۔ [دلائل النبوۃ]

تاریخی اعتبار سے مکہ پر بنو جرہم کے بعد بنو خزاعہ، پھر عمالقہ اور عمالقہ کے بعد قریش برسرِ اقتدار آئے۔ بنو جرہم کو اپنے دورِ زوال میں اقتدار ہی سے محروم نہیں ہونا پڑا، بلکہ زم زم کا کنواں بھی گہرا ہوتا ہوتا بالآخر خشک ہوگیا، اور اسے پاٹ دیا گیا۔ یہاں تک کہ لوگوں کے ذہن سے یہ بات ہی محو ہوگئی کہ زم زم

کا کنواں کہاں تھا۔[سیرۃ ابن اسحاق]

آنحضرت ﷺ کے جدامجد اور بئر زم زم: آنحضرت ﷺ کے دادا عبدالمطلب نے جب چار دن مسلسل خواب میں بئر زم زم کی جگہ کھودنے اور پانی نکلنے کے بارے میں دیکھا تو قبیلہ کے کچھ لوگوں سے اس کا ذکر کیا تا کہ وہ اس کام میں ان کا ہاتھ بٹائیں۔لیکن جب کوئی آمادہ نہ ہوا تو انہوں نے تنہا ہی اس کام کا بیڑہ اٹھایا۔غیبی اشارات صحیح ثابت ہوئے اور بالآخر پانی نکل آیا۔پانی کی خوبی وشیرینی اور بہت بڑی مقدار میں پانی کی اس دستیابی نے ایک ہلچل مچادی۔[فتح الباری]

عہد نبوی میں بئر زم زم سے متصل ایک چبوترہ بھی ہوا کرتا تھا،جو سایہ دار تھا۔جیسا کہ سلیمان الاحول کی بیان کردہ روایت میں آیا ہے کہ جب سورج گرہن ہوا تھا تو ابن عباس رضی اللہ عنہ نے اس صفہ پر چھ رکعات چار چار سجدوں کے ساتھ کسوف الشّمس ادا کی تھیں۔[المسجد الحرام]

فضائل آب زم زم: شق صدر کے موقع پر قلب اطہر کو سینہ مبارک سے نکال کر پہلے زم زم سے دھویا گیا، جس سے یہی ظاہر ہوتا ہے کہ یہ سطح ارض کا سب سے زیادہ بابرکت پانی ہے۔

جنت کی نہر: ابن عباس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ:

''حضور ﷺ نے فرمایا کہ زم زم جنت کی نہروں میں سے ایک ہے۔''[مصنف ابن ابی شیبہ]

دنیا کا بہترین پانی: ابن عباس رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

''سطح زمین پر بہترین پانی زم زم ہے جو پانی کا پانی،کھانے کا کھانا اور بیماری کی دوا ہے''۔[مجمع الزوائد]

ابن عباس رضی اللہ عنہ اور عبدالجبار بن وائل کی اپنے والد سے روایات مظہر ہیں کہ:

''آنحضرت ﷺ زم زم پر تشریف لائے،زم زم کا ایک ڈول کنویں سے نکالا،اس میں سے ایک گھونٹ پیا،پھر دوسری بار نوش فرمایا اور یہ گھونٹ ڈول میں واپس ڈال دیا،اور پھر اس ڈول کو کنویں میں دوبارہ ڈال دیا گیا''۔[بلوغ الامانی]

یہ اہتمام اس لیے تھا کہ بعد میں آنے والے بھی آپ ﷺ کے دم مبارک اور لعاب دہن مبارک سے شفاء وبرکت حاصل کرتے رہیں۔

ابن عباس رضی اللہ عنہ ہر مرض میں زم زم دوا کی نیت سے پیتے اور فائدہ حاصل فرماتے۔زم زم پینے سے پہلے آپ ﷺ یہ دعا پڑھا کرتے تھے:

اللھم انی اسئلك علماً نافعاً ورزقاً واسعاً وشفاء من کل داءٍ.[دارقطنی]

فالج زدہ کو زم زم سے شفا:

ایک مفلوج نے: بسم اللہ الرحمن الرحیم ھواللہ الذی لاالٰہ الاھو عالم الغیب

والشهادة هوالرحمن الرحيم سے آخر سورۂ حشر تک۔ اور وننزل من القرآن ماهوشفاء سے آیت کے آخر تک لکھا۔ پھر بئر زم زم پر جا کر اسے زم زم سے دھو کر کہا: اللهم ان نبيك محمداً صلى الله عليه وسلم قال ماءُ زم زم لماشرب له۔ والقرآن كلامك فاشفني بعافيتك. اور پھر اسے پی لیا۔ اللہ تعالیٰ نے اس پر اپنا فضل کیا اور اسے فالج سے مکمل طور پر نجات مل گئی۔

حضرت جابر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں میں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ فرماتے سنا ہے کہ:

''زم زم اس مقصد کے لیے ہے جس کے لیے اسے پیا جائے''۔ [سنن ابن ماجہ]

امام ترمذی فرماتے ہیں کہ:

''زم زم پینے والا اگر زم زم کو شفا کی نیت سے پیئے تو شفاء حاصل ہوتی ہے، اصلاح اخلاق کے لیے پیئے تو حسن خلق پیدا ہوتا ہے، تنگیٔ سینہ کے لیے پیئے تو شرح صدر حاصل ہوتا ہے، تاریکیٔ قلب کے لیے پیئے تو نورانیت حاصل ہوتی ہے، تکالیف کے لیے پیئے تو آرام حاصل ہوتا ہے۔ غرضیکہ زم زم پیتے وقت جو نیت کر لی جائے، اس کے مطابق فوائد مطلوبہ حاصل ہوتے ہیں''۔ [نوادرالاصول]

زم زم کو دیکھنا بھی ثواب سے خالی نہیں ہے۔ چنانچہ جابر رضی اللہ عنہ وہب بن منبہ اور مکحول سے روایات ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے کہ:

''قصداً زم زم کو نظر بھر کر دیکھنا بھی عبادت ہے۔ اور اس عمل سے گناہ محو ہوتے ہیں''۔ [فیض القدیر]

تحفۂ حجاج...زم زم: حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ:

''رسول اللہ ﷺ جب مکہ مکرمہ سے مدینہ منورہ تشریف لائے تو زم زم ضرور ساتھ لائے''۔ [سنن ترمذی، مستدرک]

حضور نبی کریم ﷺ نے ایک بار جب سہیل بن عمر رضی اللہ عنہ کو خط مکہ مکرمہ خط تحریر فرمایا تو زم زم بھیجنے کی تاکید فرمائی۔ [مصنف عبدالرزاق] ☆☆☆☆

حضرت حسین رضی اللہ عنہ کامیاب رہے، یزید کامیاب نہیں رہا

مولانا مفتی سعید احمد پالن پوری مد ظلہم [صدرالمدرسین وشیخ الحدیث: دارالعلوم دیوبند] لکھتے ہیں:

''میرے حضرت (حضرت مفتی مظفر حسین صاحب قدس سرہ) کا سجع (انگوٹھی کا نقش [ناقل]) تھا: ''دَر دو جہاں مظفر حسین''، یعنی دونوں جہاں میں کامیاب حضرت حسین رضی اللہ عنہ رہے، یزید کامیاب نہیں رہا۔'' [تحفة الالمعی: ۷۶/۵]

مولانا عبدالجبار سلفی

تبصرہ وتعارف

نقدونظر......ساڑھے تیرہ سو کتابوں پر تبصروں کا ایک شاندار مجموعہ

نام کتاب: **نقد و نظر** تالیف: شہید اسلام مولانا محمد یوسف لدھیانوی رحمہ اللہ

مرتب: مولانا اعجاز مصطفیٰ مدظلہ

صفحات: جلد اول: سات سو بیس (۷۲۰)۔ جلد دوم: سات سو چوالیس (۷۴۴)

ناشر: مکتبہ ختم نبوت، پرانی نمائش، ایم اے جناح روڈ، کراچی **021-32780337**

علم و تحقیق کے چمن میں تازہ بہار آئی ہے اور تحقیق کی جستجو رکھنے والوں کو ایک نیا گوہر مقصود ہاتھ آیا ہے، شہید اسلام مولانا محمد یوسف لدھیانوی شہید رحمہ اللہ نے اپنے خامہ عنبر شمامہ سے ماہ نامہ ''بینات'' کراچی میں جن نئی مطبوعات پر تبصروں، تذکروں اور اطلاعت کا سلسلہ جاری کیا تھا اب ان کو مستقل کتابی شکل میں پیش کر کے گویا مشک ختن کا ڈھکن کھول دیا گیا ہے، پھر سے خوشبوؤں نے علمی ماحول معطر کر دیا ہے۔ چنانچہ اسی مشک بار فضاء میں ہمیں اس قابل قدر، لائق تعظیم اور مستحق مرحبا کتاب سے حظ اُٹھانے کا موقع ملا، اور بعد از مطالعہ محشر خیال میں اُٹھنے والا خیالات و جذبات کا بے ہنگم طوفان کسی قدر تھا تو مختصر تبصرہ، اور تذکرہ قارئین مجلّہ ''صفدر'' کے نظر نواز کیا جا رہا ہے۔

یہ کتاب دو مجلّات پر مشتمل اور کم و بیش ساڑھے چودہ سو صفحات پر پھیلی ہوئی ہے اور اس میں ایک طائرانہ جائزے کے مطابق ساڑھے تیرہ سو کتابوں پر تبصرے، تجزیئے اور تذکرے شامل ہیں۔

اگر روایتی لحاظ سے دیکھا جائے تو تصنیف کی دنیا میں آسان ترین کام تازہ کتابوں پر تبصرہ نگاری ہے، مگر اُصولی اور فنی نظر سے غور کیا جائے تو یہ ایک مشکل ترین صنف ہے۔ فی زمانہ کتابوں پر تبصرہ کم ہوتا ہے اور مصنف و مؤلف یا مرتب کے ساتھ ذاتی دوستانہ کی بنیاد پر تعریف و توصیف زیادہ ہوتی ہے۔ اور اب تو یہ موضوع اس قدر مشکل ہو کر رہ گیا ہے کہ جدید ذرائع ابلاغ کی مدد سے آناً فاناً اپنے مثبت یا منفی تاثرات ادھر سے ادھر نہایت سرعت کے ساتھ منتقل ہو جاتے ہیں کہ سورج سوا نیزے پر آ جاتا ہے اور عدم برداشت کی وجہ سے اپنی مطبوعہ کتاب پر حسب تمنا تبصرہ نہ پا کر نہایت درجہ میں سیخ پا ہو کر

لینا، پکڑنا دوڑنا جانے نہ پائے   لے گیا مری شکسبائی وہ کافر لے گیا

کا غلغلہ بلند کرتے ہیں اور پھر برسوں کے یارانے ''ناراضگی'' میں بدل جاتے ہیں۔

حضرت مولانا محمد یوسف لدھیانوی رحمہ اللہ باوجودیکہ وہ اپنی متحمل وبردبار طبیعت کی بناء پر نہایت متوازن اور مناسب لب ولہجے میں کتابوں پر تبصرے لکھتے تھے،لیکن زیرنظر مجموعہ میں مختلف الخیال طبقات اور مختلف المزاج حضرت کی کتابوں پر تجزیئے پڑھ کر اندازہ ہوا ہے کہ ان کو خونریز داستانوں اور ''عبرتناک'' انجام سے دوچار کردینے والی دھمکیوں پر مشتمل خطوط ضرور آتے ہوں گے، جو ان کے علمی ودینی متروکات میں یقیناً موجود ہوں گے۔

ایسے خطوط بھی منظر عام پر ضرور آنے چاہئیں تاکہ معاشرے میں موجود ایسے لوگوں کی شعلہ باریاں بھی ریکارڈ کا حصہ بنیں، اور آنے والی نسلوں کو اس کی روشنی یا تاریکی میں اپنے متعلق برموقع فیصلہ کرنے میں آسانی رہے۔

تبصرہ نگار سے کبھی غلطی بھی ہوجاتی ہے کیونکہ وہ انسان ہوتا ہے،لیکن زیرنظر مجموعہ پڑھ حیرت انگیز سبق یہ ملتا ہے کہ مبصر کو بہرحال ''خائن'' نہیں ہونا چاہئے۔اور مبصر کی بھی اپنی ذاتی ایک فکر یا نظریہ یا رائے ہوتی ہے، مگر وہ مخالف فکر کے حامل مصنف کی کتاب پر تبصرہ لکھتے ہوئے کس قدر نازک پگڈنڈی پر چلتا ہے اور اسے اپنے دائیں بائیں سے کتنا باخبر اور کتنا بےخبر رہنا پڑتا ہے، یہ مولانا محمد یوسف لدھیانوی رحمہ اللہ کی زندگی بھر کی اس جہد مسلسل کو دیکھ کر اندازہ ہوسکتا ہے۔

کتاب ہذا کی پہلی جلد میں (اگر ضخیم مجلدات پر مشتمل کتب کو جلد وار دیکھا جائے) تو تقریباً اِس میں چھ سو نواسی (۶۸۹) کتابوں پر تبصرے شامل ہیں، جن میں علوم قرآنیہ، ایمانیات وعقائد، فتاوی وفقہ، تصوف وطریقت، سیرت النبی، تذکار وسوانح، مناقب صحابہ واہل بیت اور تراجم وحواشی وشروحات شامل ہیں۔اسی طرح دوسری جلد میں تقریباً چھ سو ستاون (۶۵۷) کتابوں پر تبصرے شامل اشاعت ہیں، جن میں تواریخ، مکاتیب وادب، مضامین وعقائد، مواعظ وملفوظات، اصلاح وارشاد، طب وغذاء، رسائل وجرائد کے خصوصی نمبرز، نادر اشاعتیں، کتب فنون وغیرہا شامل ہیں، اور اس جلد میں خاص چیز ''کتب ردفرقہائے باطلہ'' ہیں، چنانچہ ردشیعیت، تردید عیسائیت، مطالعہ یہود و ہنود، کتب مسئلہ حیات الانبیاء علیہم السلام، تردید مودودیت، پرویزیت، چکڑالویت، فتنہ انکار حدیث، ردخارجیت وناصبیت، اور اسماعیلی، بوہری، نوربخشی، قادیانیت وغیرہ وغیرہ کے متعلق ایسی کتب پر تبصرے شامل ہیں کہ ارباب علم وذوق ایک ایک سطر سے بھرپور نفع اٹھاسکتے ہیں۔

اس مجموعہ میں بعض کتابوں پر تبصرے طویل ہیں۔بعض میں تفصیل ہے اور بعض میں قلیل ہیں، مگر ''تعدیل'' قدرے مشترک ہے، حتی المقدور مصنف علیہ الرحمہ نے اعتدال وتوازن کو پیش نظر رکھا ہے، تبصروں اور تجزیوں کی دنیا میں یہ شاہکار کتاب بہت ہی معلومات افزاء ہے۔اس لیے بطورِ خاص یہ کتاب

محققین کے لیے ایک نادر تحفہ ہے، کیونکہ اس میں کسی بھی موضوع پر مقالہ یا مضمون لکھنے والوں کو اپنے موضوع سے معلقہ کتابیں، کتابوں کے مصنفین، سن اشاعت، مقام اشاعت وغیرہ سے آگاہی و رہنمائی مل سکتی ہے۔ اصحاب ثروت اگر اس کتاب کی نسخے خرید کر مختلف مدارس اور عصری اداروں کی لائبریریوں میں رکھوا دیں یا علماء کرام کو تحفۃً پیش کریں تو یہ ایک صدقہ جاریہ ہوگا۔

''نقد و نظر'' کتاب ظاہری و باطنی خوبیوں سے اگرچہ مالا مال ہے، مگر ایک سقم یہ رہ گیا ہے کہ پہلی جلد کی ابتداء میں مبصر رحمہ اللہ کے حالات زندگی، ماہنامہ ''بینات'' کا تاریخی تعارف اور تبصرہ نگاری کے اُصول وضوابط پر مشتمل مقدمہ وغیرہ نہیں لگایا گیا، اتنے بڑے اور علمی نوعیت کے اِس شاندار مجموعہ پر یہ نہایت ضروری اور بنیادی کام تھا، جو ہونے سے رہ گیا ہے۔

چنانچہ ایک عام قاری جب کتاب کی ابتداء ہی میں تبصروں سے ہی اپنے مطالعہ کا آغاز کرے گا اور مبصر رحمہ اللہ کے حالات، بینات کی دینی جدوجہد اور تبصرہ وتذکرہ کے اُصولوں سے ناواقف رہے گا تو وہ ایک اساسی معلومات سے گویا محروم رہے گا، ہمارے ملک میں علماء کرام، صحافی، اور پروفیسرز طبقہ میں ایسے باصلاحیت لوگ پائے جاتے ہیں کہ اگر اِسی کتاب پر مقدمہ نگاری کا ان سے کام لے لیا جاتا تو بہت بڑی ضرورت پوری ہو جاتی اور کتاب کے حسن میں بے پناہ اضافہ ہو جاتا، امید ہے کہ آئندہ ایڈیشن میں اس پر غور کیا جائے گا۔

کتاب ہذا کو ترتیب وتہذیب کا سہرا پہنانے والے مولانا محمد اعجاز مصطفیٰ مدظلہم اوران کے رفقاء کی شبانہ روز محنت اِس مجموعہ سے عیاں و بیاں ہو رہی ہے، بلاشبہ یہ گھنا اور تھکا دینے والا جنگل تھا جسے اُنہوں نے اللہ تعالی کے فضل وکرم، علم وتحقیق سے شغف اور مولانا شہید رحمہ اللہ سے عقیدت کے جذبات سے مالا مال ہو کر بعافیت عبور کیا۔

کتاب کو بہت اعلیٰ کاغذ لگایا گیا ہے، بائینڈنگ مضبوط ہے، ٹائٹل لائق دید، کتابت قابل برداشت ہے، کمپوزنگ میں کمپوزر کی مہارت چھلکتی ہے اور پروف ریڈنگ کے اہتمام سے کتاب سطر بہ سطر چمکتی ہے۔

مَنْ لَّمْ يَشْكُرِ النَّاسَ لَمْ يَشْكُرِ اللهَ کے تحت اپنے ایک دینی اور علمی دوست جناب منصور الحق یلدرم کا شکریہ ادا کرنا ضروری ہے کہ انہوں نے یہ کتاب بندہ کو ہدیۃً پیش فرمائی۔

اَرباب علم وفضل دیر نہ کریں، آگے بڑھیں اور اس عظیم المرتبت کتاب کو متعارف کریں یہ علم کی خدمت بھی ہے اور شہید اسلام رحمہ اللہ کے ساتھ نسبت واُلفت کا خوبصورت اِظہار بھی ہے۔

مذکورہ بالا پتہ سے کتاب کے متعلق معلومات لی جا سکتی ہیں۔ ☆☆☆☆

مولانا جمیل الرحمٰن عباسی

حضرت سیدنا زاہر رضی اللہ عنہ

حضرت سیدنا زاہر رضی اللہ عنہ کے والد کا نام حرام یا حزام تھا،ابن عبدالبر رحمہ اللہ نے الاستیعاب میں اور ابن اثیر رحمہ اللہ نے اسد الغابہ میں انھیں بدری صحابہ میں شمار کیا ہے۔حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ:ایک دیہاتی آدمی تھے ان کا نام زاہر تھا، کان یھدی إلی رسول اللہ ﷺ الھدیة من البادیة ویجھزہ رسول اللہ ﷺ إذا أراد أن یخرج. "وہ دیہات سے آنحضرت ﷺ کے لیے تحفے لایا کرتے تھے اور حضرت زاہرؓ جب واپس اپنے گاؤں جانے لگتے تو آنحضرت ﷺ بھی انھیں تحفے دیا کرتے تھے۔" اور آنحضرت ﷺ نے یہ بھی فرمایا کہ:"زاہر ہمارے لیے دیہاتی تحفے لاتے ہیں،ہم انھیں شہری ہدایا دیتے ہیں۔" [مسند احمد:۹۰/۲۰] امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ نے یہ بھی نقل فرمایا ہے:**وکان النبی ﷺ یحبہ.** "آنحضرت ﷺ حضرت زاہر رضی اللہ عنہ سے محبت فرماتے تھے۔" [ایضا]

حضرت زاہر رضی اللہ عنہ دیہاتی صحابی تھے،شکل وصورت کے اعتبار سے بھی (لوگوں کی نگاہوں میں) اچھے نہیں تھے،مگر آنحضرت ﷺ ان کی باتیں بڑی توجہ سے سنتے تھے اور تحفوں کا تبادلہ بھی جاری رہتا تھا۔

ایک مرتبہ آنحضرت ﷺ بازار تشریف لے گئے تو آپ کی نظر حضرت زاہر رضی اللہ عنہ پر پڑی،وہ کوئی چیز فروخت کررہے تھے،آنحضرت ﷺ نے انھیں پتہ نہ لگنے دیا اور پیچھے سے جا کر ان کی آنکھوں پر ہاتھ رکھ کر ان کی آنکھیں بند کردیں،حضرت زاہر کو پتہ نہ چلا،وہ کہتے رہے: من ھذا؟ اَرسِلْنِی! "یہ کون ہے؟ چھوڑ مجھے"۔آنحضرت ﷺ نے بطور مزاح فرمایا: من یشتری منی ھذا العبد؟ "مجھ سے یہ غلام کون خریدے گا؟" اب تو حضرت زاہر اپنی پیٹھ آنحضرت ﷺ کے سینہ مبارک سے چمٹانے لگ گئے اور ساتھ ہی کہنے لگے:اذاً تجدنی کاسداً. "یارسول اللہ! آپ کو میری کچھ بھی قیمت نہ ملے گی،میں تو بے قیمت آدمی ہوں۔" آنحضرت ﷺ نے فرمایا: لکنك عند اللہ لست بکاسد. "لیکن اللہ تعالیٰ کے ہاں تیری بڑی قیمت ہے،بارگاہ ایزدی میں تم بڑے قیمتی آدمی ہو۔" [مسند احمد:۹۰/۲۰،الاصابہ:۱۲۰/۱،اسد الغابہ:۷۸۴/۱،الاستیعاب:۵۰۹/۲] رضی اللہ تعالی عنہ وارضاہ

☆......☆......☆......☆

اہل سنت کے لیے عظیم خوشخبری

رئیس المناظرین حضرت مولانا قاضی کرم الدین دبیر رحمہ اللہ تعالیٰ (چکوال) نے ۱۹۲۵ء میں مذہب حقہ اہل السنۃ والجماعۃ کے عقائد کے گرد پہرہ دیتے ہوئے ایک کتاب ’’آفتاب ہدایت‘‘ لکھی، جسے من جانب اللہ اتنی مقبولیت حاصل ہوئی کہ حضرتؒ کی حیات میں لکھنو سے لے کر لاہور تک کے شیعہ مجتہدین اس کتاب کا جواب دینے سے عاجز رہے۔ ۷۰ء کی دہائی میں (یعنی ’’آفتاب ہدایت‘‘ کا پہلا ایڈیشن شائع ہونے کے تقریباً پچاس [۵۰] سال بعد) سرگودھا پاکستان کے ایک شیعہ مجتہد محمد حسین نجفی (المعروف ڈھکو) صاحب نے ’’تجلیات صداقت‘‘ نامی کتاب لکھ کر ’’آفتابِ ہدایت‘‘ کا جواب دینے کی کوشش کی۔

قائد اہل سنت، وکیل صحابہ مولانا قاضی مظہر حسین رحمہ اللہ کے ارشاد پر مفکر اسلام حضرت مولانا علامہ خالد محمود مدظلہ العالی نے بتوفیق اللہ تعالیٰ ’’تجلیات صداقت‘‘ کا جواب

’’تجلیات آفتاب‘‘

کے نام سے لکھا، جس کی پہلی جلد آج سے کئی سال قبل شائع ہو کر الحمد للہ برصغیر سمیت عرب، انگلینڈ، یورپ، امریکہ اور افریقہ کے ممالک تک خوب پذیرائی حاصل کر چکی ہے۔

اللہ پاک کی توفیق اور حضرات کی دعاؤں سے ’’تجلیات آفتاب‘‘ کی دوسری جلد بھی **محمود پبلیکیشنز** (اسلامک ٹرسٹ) لاہور کے زیر اہتمام شائع ہو کر منظر عام پر آ چکی ہے۔ دوسری جلد میں عقیدہ بدا، متعہ، گرل فرینڈ کلچر، ماتم، تقیہ، تفضیل ائمہ اور دیگر کئی موضوعات پر سیر حاصل بحث کی گئی ہے۔

حضرت علامہ خالد محمود مدظلہم کی جملہ کتب حاصل کرنے لیے کے لیے

محمود پبلیکیشنز (اسلامک ٹرسٹ) لاہور

LG-20، ہادیہ حلیمہ سنٹر، غزنی سٹریٹ، اُردو بازار، لاہور

0302-4284770_0333-4915515_042-37321526